جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

# انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جون
۱۹۹۸ء

صفر المظفر
۱۴۱۹ھ

# قیامت میں پانچ باتوں کا سوال :

حدیث میں ہے قیامت میں جب تک آدمی مندرجہ ذیل پانچ باتوں کا جواب نہیں دیدے گا اپنی جگہ سے قدم نہ اٹھا سکے گا، وہ حدیث یہ ہے :-

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا
ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ
عَنْ عُمُرِهٖ[1] فِيْمَا اَفْنَاهُ،
وَعَنْ شَبَابِهٖ[2] فِيْمَا اَبْلَاهُ
وَعَنْ مَالِهٖ[3] مِنْ اَيْنَ
اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ[4]
وَمَاذَا[5] عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ[1]

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن جب خدا کے سامنے پیشی ہوگی تو آدمی اپنی جگہ سے قدم نہ ہلا سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ باتوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا، یہ کہ اپنی ساری[1] عمر اور زندگی کو کن کاموں میں صرف کیا؟ خصوصاً جوانی[2] کہ اس کی طاقت و قوت کو جائز جگہ صرف کیا یا ناجائز مال[3] و دولت کو کن طریقوں سے حاصل کیا؟ اور کن[4] مقامات میں صرف کیا؟ دین[5] کی جو باتیں معلوم تھیں اُن پر کتنا عمل کیا"؟

---

[1] ترمذی شریف، بحوالہ راہِ نجات ص۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

# انوار مدینہ

جلد : ۶ — صفر المظفر ۱۴۱۹ھ ـ جون ۱۹۹۸ء — شمارہ : ۹

مدیر
سید محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ـ ـ ـ ـ ـ سالانہ ۱۳۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات دبئی 〃 ۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ 〃 ۶ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ 〃 ۱۶ ڈالر
برطانیہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ 〃 ۲۰ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۷۷۲۴۲۷۳-۲۰۱۰۸۶
فیکس نمبر ۹۲ - ۴۲ - ۷۷۲۶۷۰۲

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

## اس شمارے میں


حرفِ آغاز ———————— ۳

درسِ حدیث ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ——— ۷

سب گھرانوں سے معزّز ہے گھرانہ آنکا (نعت) سیّد امین گیلانی صاحب ——— ۱۲

سلوک و طریقت کے جواہر پارے ——— شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ——— ۱۳

توبہ کی ضرورت اور اہمیّت ——— حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب ——— ۱۶

مولانا سیّد محمود میاں صاحب ——— ۲۵

حضرت مولانا عبدالستّار صاحبؒ ——— مولانا خواجہ محمد یٰسین صاحب ——— ۳۲

جہاد، اقدام اور دفاع ——— مولانا عطاء الرحمٰن صاحب ——— ۳۴

اعتقادی فتنے اور تحریکِ نجات ——— مولانا محمد حسین صاحب ——— ۳۶

جاوید احمد غامدی کے افکار و نظریات ——— مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ——— ۳۹

حاصلِ مطالعہ ——— مولانا نعیم الدّین صاحب ——— ۴۸

تقریظ و تنقید ———————— ۵۴

اخبار الجامعہ ——— محمدؐ عابد ——— ۶۳

بزمِ قارئین ———————— ۶۴



رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

گزشتہ چند برسوں سے ملک میں قانون تحفّظ ناموس رسالت پر ملک میں آباد غیر مسلم اقلیّتوں نے بے جا احتجاج اور اعتراضات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے حالانکہ اس قانون سے جس طرح سارے عالم کے نبی حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کا تحفّظ ہوتا ہے اسی طرح دیگر تمام نبیوں کی رسالت کا بھی تحفّظ ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو اس قانون کے تحت سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السّلام حضرت عُزیر علیہ السّلام حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت موسٰی حضرت یُوسف حضرت یونس علیہم السّلام اور دیگر کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والے کو بھی سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ خدانخواستہ اگر کوئی مسلمان حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم یا اُن کے علاوہ کسی اور نبی کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ مرتد ہو کر دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے اور مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا جبکہ عیسائی، یہودی یا ہندو کسی نبی کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو وہ خود اُن کے اپنے مذاہب یعنی عیسائیت، یہودیت اور ہندو مذہب سے خارج نہیں سمجھا جاتا اور اس فعلِ بد پر اس کی کوئی حوصلہ شکنی نہیں کی جاتی جو بجائے خود حوصلہ افزائی کے مترادف ہے۔ یہود و نصارٰی کی اس عادت کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔ وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاری المسیح ابن اللہ ذلک قولھم بافواھھم (پ ۱۰ ع ۱۱) یعنی "

حضرت عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے (اُن کی تردید میں) کہا کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں یہ باتیں کہتے ہیں اپنی طرف سے۔ گویا بے دلیل اور بے پر کی بات کر دینا ان کا پرانا طریقہ چلا آرہا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر نبیوں کو قتل کر ڈالنے کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے۔ گزشتہ مئی کے مہینہ میں بشپ ڈاکٹر جان جوزف نے توہینِ رسالت کے مرتکب ایوب مسیح کے خلاف عدالت کی جانب سے سزائے موت اور ایک لاکھ روپے جرمانہ کی سزا پر بطورِ احتجاج ساہیوال میں خودکشی کر لی جس کے بعد عیسائیوں نے فیصل آباد میں جہاں جان جوزف کی تدفین ہوئی پُر تشدّد مظاہرے کیے بعد ازاں لاہور میں مظاہروں کا اعلان کیا گیا اور یہاں بھی عیسائیوں کی جانب سے پُر تشدّد مظاہرے کر کے امن و امان کی صورتِ حال خراب کی گئی عیسائیوں کی طرف سے توہینِ رسالت کے مرتکب ایّوب مسیح کی سزا کے خلاف پُر تشدّد احتجاجی مظاہرے اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کا مصداق ہیں ایک ایسا ملک جہاں مُسلمانوں کی واضح اکثریت ہو توہینِ رسالت جیسے جُرم کا ارتکاب کرنے والے کے حق میں پُر تشدّد مظاہرے کرنا۔ تحفّظ ناموسِ رسالت قانُون کی کمزوری اور اس پر صحیح طرح عمل نہ کرنے کی علامت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تحفّظ ناموسِ رسالت کے قانُون کو مزید مؤثّر بنانے کے ساتھ ایک قانون یہ بھی ہونا چاہیے کہ توہینِ رسالت کے مرتکب کسی بھی شخص کے حق میں اس انداز میں مظاہرہ یا حمایت کرنا جس سے یہ تأثّر ملتا ہو کہ یہ سزا ظلم اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ توہین رسالت تصوّر کیا جائیگا۔

عیسائی برادری کی طرف سے موجودہ پُر تشدّد مظاہرے اور دیدہ دلیری کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں ایک بڑی وجہ ۲۳ رفروری ۱۹۹۵ء کو لاہور ہائی کورٹ کی جانب سے توہین رسالت کے مرتکب دو ملزموں سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو صرف ایک ہفتہ کی سرسری سماعت کے بعد بری کرنے کا فیصلہ ہے، حالانکہ اس سے پیشتر ۹ رفروری ۱۹۹۵ء کو سیشن کورٹ کے ایڈیشنل جج جناب محمد مجاہد حسین نے دونوں ملزموں کو تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ سی ۲۹۸ کے تحت سزائے موت ساتھ ساتھ پچیس پچیس ہزار روپے جرمانہ اور عدمِ ادائیگی کی صورت میں دو سال کی سزا سُنائی تھی۔ جس پہ اس وقت کی وزیرِ اعظم بے نظیر بھٹو نے کہا تھا کہ "توہینِ رسالت کے عدالتی فیصلہ پہ حیرت اور دُکھ ہوا"۔ اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعون۔

ملزموں نے فیصلہ کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کر دی اس وقت کے قائم مقام چیف جسٹس نے دو ایڈ ہاک جج جسٹس عارف اقبال حسین بھٹی اور جسٹس خورشید احمد پر مشتمل ایک بنچ قائم کر دیا جس نے ۱۵ فروری سے ۲۳ فروری تک مسلسل کیس کی سماعت کی اور صرف آٹھ دن میں مقدمہ کی سماعت مکمّل کر کے دونوں ملزموں کو بری کر دیا۔ اسی غیر متوقع فیصلہ پر ملک میں عوامی سطح پر غم و غصّہ کا اظہار کیا گیا اور حکومت نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ سرکاری سطح پر ملک سے فرار ہونے میں ملزموں کی مدد بھی کی، اور ابھی فریق مخالف کے لیے سپریم کورٹ میں اپیل کی مُدّت باقی تھی کہ تین دن کے اندر ملزموں کو پاسپورٹ فراہم کر کے جرمنی کے ویزے لگوا کر پُوری حفاظت کے ساتھ اسلام آباد پہنچایا گیا اور نبی علیہ السّلام کو گالیاں بکنے والے دونوں عیسائیوں کو جرمنی فرار کروا کر اس وقت کی حکومت نے کافر حکومتوں کو خوش کیا اور یہ نہ سوچا کہ قیامت کے دن کس مُنہ سے سرکار کی شفاعت طلب کریں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نبی علیہ السّلام کی ناموس پر کیچڑ اچھالنے والے مزید دلیر ہوگئے اور اُن کو یہ حوصلہ ملا کہ وہ نبی علیہ السّلام کی ناموس کو پامال کریں اور سڑکوں پر دندناتے بھی پھریں . . . . . . . . . . رسالت کی شان کے گستاخوں کو اگر اسی طرح چھوٹ ملتی رہی تو نتیجتاً عوام میں اشتعال پیدا ہو سکتا ہے اور عوام قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں جس کا نتیجہ بہت بڑے نقصان اور خون ریزی کے سوا کیا ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے حالات کی تمام تر ذمّہ داری حکومت پر ہی عائد ہوتی ہے اور ہو گی۔ اقلیتوں کا یہ اعتراض بھی بالکل سطحی ہے کہ قانُون شہادت میں سقم ہے اور غلط شہادت پیش کر کے بے گناہ کو پھانس لیا جاتا ہے۔ لہٰذا جب تک یہ سقم دُور نہیں کیا جاتا تب تک توہینِ رسالت کا قانون نافذ نہیں کرنا چاہیے" . . . . . کیونکہ پہلے ہی اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس قانون کا مقصد صرف ناموسِ رسالت کا تحفّظ ہے کسی خاص فرقہ یا اقلیّت کے خلاف یہ قانون نہیں بنایا گیا۔ بلکہ اکثریتی فرقہ کا کوئی شخص خدانخواستہ توہینِ رسالت کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ قانون اس کے خلاف بھی حرکت میں آتا ہے اور جُرم ثابت ہونے پر اس کو بھی سزائے موت دی جا سکتی ہے مگر اکثریّت کی طرف سے قانون شہادت کے سقم کا بہانہ بنا کر اس قانون کو نافذ نہ کرنے کا کبھی مطالبہ نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اکثریت کا

عقیدہ ہے کہ ہر نبی واجب الاحترام ہوتا ہے اور کسی بھی نبی کی توہین کرنے والا کافر اور واجب القتل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عیسائی اور قادیانیوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے اس لیے ان کی جانب سے اس قسم کے شوشے چھوڑ کر قانون تحفظ رسالت کو غیر مؤثر کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ حکومت کا فرض ہے اس سلسلہ میں قانون کو مزید مؤثر بنانے اور ہمارے ملکی اور مذہبی معاملات میں اقلیتوں اور ان کے غیر ملکی کافر آقاؤں کے کسی قسم کے دباؤ میں نہ آئے۔ اللّٰھم صلّ وسلّم وبارك على سيّدنا و مولانا محمد وعلى جميع الانبياء والمرسلين۔

---

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی فاضل دارالعلوم دیوبند ۲۷ اپریل مطابق ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ اسّی برس کی عمر پاکر وفات پاگئے۔ اِنّا لله وَاِنّا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا تحریک خدّام اہل سُنّت پاکستان کے صوبائی امیر، جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے بانی اور مہتمم تھے۔ مولانا بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ فاضل دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے شاگرد اور مرید اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے ــــــ

ــــــ فراغت کے بعد آپ نے اپنی زندگی دینِ اسلام کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھی اور اسی حالت میں دُنیا سے رُخصت ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی جملہ مساعی کو قبولیت سے سرفراز فرماکر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ پسماندگان بالخصوص صاحبزادگان مولانا قاری خبیب احمد اور قاری صہیب صاحب کو صبرِ جمیل کے ساتھ اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جامعہ میں حضرت کے لیے ایصالِ ثواب کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

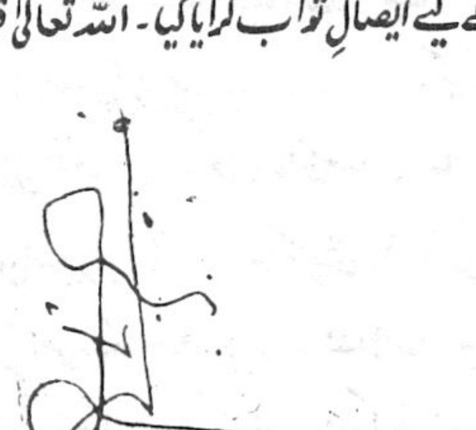

مولای صلّ وسلّم دائماً ابداً　　　علی حبیبک خیر الخلق کلّهم

# درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لوٗلوٗ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

هنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است　　　خم و خمخانہ با مهر و نشاں است

کیسٹ نمبر ۲۱ سائیڈ بی ۱۹۸۳ء ۶-۲۴

الحمد للّٰہ رب العلمین والصّلوٰة والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد! عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ [1]

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصّلوٰة والتسلیم نے فرمایا "روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے لیے شفاعت کریں گے، چنانچہ روزہ کہے گا "اے میرے پروردگار! میں نے اس کو کھانے اور دوسری خواہشات

---

[1] مشکوٰة شریف ص ۱۷۳

(مثلاً پانی پینے صحبت کرنے وغیرہ) سے دن میں روکے رکھا، لہٰذا میری طرف سے اس کے حق میں شفاعت قبول فرما" اور قرآن کہے گا "میں نے اسے رات میں سونے سے روکے رکھا۔ لہٰذا میری طرف سے (بھی) اس کے حق میں شفاعت قبول فرما" چنانچہ ان دونوں کی شفاعت قبول کرلی جائے گی"۔

حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا "اَلصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ" روزہ اور قرآن کریم دونوں ہی بندہ کی شفاعت کریں گے یا کرتے ہیں۔

جو صحابہ کرام دُنیا سے رُخصت ہوچکے تھے اُن کے بارے میں کی بھی ہوگی اور جو جاتے ہیں اُن کے لیے وہ شفاعت کرتے ہیں۔ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ روزہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ میں نے اس بندہ کو کھانے سے روک دیا تھا اور اُس کی پسندیدہ چیزیں شہوتیں جن کی طرف اُس کی رغبت ہوتی تھی میں نے دن میں ان چیزوں سے اس کو روک دیا۔ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ میں اس کی سفارش کرتا ہوں تو میری شفاعت اس کے بارے میں قبول فرما۔

یہ جتنی بھی عبادتیں ہیں اِن کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ سب کی سب شکل اختیار کرلیتی ہیں۔

خداوندِ کریم کی قدرت ہے یہ کہ جیسے آپ کسی چیز کا فوٹو لیتے ہیں پھر ان فوٹوؤں کی اتنی بڑی تعداد ہوجاتی ہے کہ اُن سے فلم بنالیتے ہیں اور وہ حرکت کرتی ہوئی چیز معلوم ہوتی ہے اور دوسرے طریقے پر آواز پیدا کرتے ہیں اور محفوظ کرتے ہیں اور وہ بولتی ہوئی چیز محسوس ہوتی ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے یہاں خود بخود ہوتی ہیں۔

کوئی عمل جو انسان کرتا ہے رائیگاں نہیں جاتا، بے کار نہیں جاتا، غائب نہیں ہوجاتا، فنا نہیں ہوجاتا بلکہ وہ قائم رہتا ہے، موجود رہتا ہے۔ محفوظ طرح موجود رہتا ہے۔ جب انسان کا انتقال ہوجاتا ہے اور وہ دوسرے عالم میں جاتا ہے تو وہ چیزیں ملتی ہیں نظر آتی ہیں اُن سے اُس کا واسطہ پڑتا ہے اور یہ اعمال ایک شکل اختیار کرلیتے ہیں وہ شکل جو یہ اعمال اختیار کرتے ہیں کبھی تو مثال

کے طور پر حدیث شریف میں یہ ذکر کی جاتی ہے کہ جب انسان کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اُس کے پاس ایک چیز آتی ہے اُس کو وہ دیکھ کر یا خوش ہوتا ہے یا ڈرتا ہے۔ ایسی ایک چیز اُس کے قریب آجاتی ہے تو اگر وہ خوش ہوتا ہے اس سے تو یہ کہتا ہے کہ مجھے تیرے پاس آنے سے تیری شکل دیکھنے سے تیرے قُرب سے ایک راحت مُیسر آگئی ہے سکون ہو رہا ہے تُو کون ہے ؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ مَیں تیرا عمل ہوں مجھے اللہ نے یہ شکل دے دی ہے اور میں تیرے ساتھ ہی رہوں گا الگ کبھی ہوں گا ہی نہیں۔ گویا یہ فکر کہ مَیں چلا جاؤں گا تو تنہا رہ جائے گا۔ یہ نہیں ہے بلکہ مَیں تیرے ساتھ رہوں گا۔

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ بعض لوگوں کے (خُدا پناہ میں رکھے) ایسی ہیبت ناک شکل سامنے آتی ہے کہ جیسے انسان دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ وحشت کھاتا ہے وہ اُس سے پُوچھتا ہے کہ تُو کون ہے ؟ مَیں تجھے دیکھتا ہوں تو ڈرتا ہوں وحشت ہوتی ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ مَیں تیرا عمل ہوں جو تو کرتا رہا اور چاہے تو گھبرا اور چاہے جو کہ مَیں تیرے سے الگ نہیں ہوں گا۔ تیرے سامنے ہی رہوں گا، اب وہ ڈر کی شکلیں کیا ہو سکتی ہیں۔ کیا نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے بہت ساری شکلیں ہیں۔ جانوروں کی شکلیں بجائے انسان کے جانوروں کی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں بھی آتا ہے اور قرآنِ پاک میں بھی آیا ہے۔ حدیث میں تو آتا ہے کہ جو آدمی زکوٰۃ نہیں دیتا مال کی اس کا مال ایک اژدہے کی شکل میں ہوگا جسے اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اُس کو ڈستا رہے گا جس سے اُسے تکلیف ہوتی رہے گی۔ جیسے ڈسنے کی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ تکلیف جاری رہے گی۔ گویا جو عمل انسان کر رہا ہے اُس کی کوئی شکل بنتی جاتی ہے اور وہ عمل محفوظ رہتا ہے اور وہ مستقل شکل اختیار کرتا ہے اور عالمِ آخرت میں کس شکل میں سامنے آتا ہے ایک شکل میں سامنے آتا ہے یا کئی شکلوں میں سامنے آتا ہے۔ یہ مختلف چیزیں ضرور ہیں مگر یہ کہ محفوظ رہنا عمل کا یہ ثابت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو بندہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک دفعہ کہہ لیتا ہے تو اُس سے ایک شکل پیدا ہوتی ہے اُڑنے والی چیز کی جو عرشِ الٰہی کے گرد چکر کاٹتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ میرے ادا کرنے والے کو بخش دے ، جس نے مجھے ادا کیا ہے پڑھا ہے بخش دے معلوم ہوا وہ بھی محفوظ ہے وہ

بھی فنا نہیں ہوتا تو فنا کا معاملہ تو ایسا ہے کہ ہر چیز فنا بھی ہو رہی ہے اور ہر چیز باقی بھی ہے۔ دونوں ہی طرح ٹھیک ہے۔

انسان بھی فنا ہو رہا ہے جس دن سے آیا ہے، روز فنا ہی ہو رہا ہے۔ فنا ہی کی طرف بڑھ رہا ہے جتنے دن گزر گئے وہ فنا کی طرف اتنے دن اور بڑھ چکا ہے۔

کھانا کھاتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے۔ پانی پیتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے۔ دوبارہ ضرورت پڑتی ہے پانی پینے کی، ہر چیز فنا ہو رہی ہے اور دوسری طرف دیکھا جائے تو ہر چیز باقی بھی ہے ہر چیز کو بقا بھی حاصل ہے قیامت کے دن جنّت میں جہنّم میں دوام کی شکل میں معلوم ہوتا ہے کہ باقی ہی باقی ہے فنا ہوتی ہی نہیں کوئی چیز، تصویر کھینچ لیتے ہیں وہ باقی ہوتی ہے وہ رہتی ہے برس ہا برس، فلم محفوظ رہ جاتی ہے اور ٹیپ کر لیتے ہیں تو مدّتوں آواز محفوظ رہ جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ فنا ہے ہی نہیں کسی چیز کو ایک طرف دیکھیں تو ہر چیز کو فنا معلوم ہوتی ہے نئی گاڑی تیّار ہو کر آئی ہے تیّار ہو گئی تو اب اس کے بعد زوال شروع ہو گیا اُس کا، حالانکہ اُس کے سب پرزے لوہے کے ہیں، مگر کسی بھی طرح کی بنی ہوئی کوئی بھی چیز ہو، زوال پھر آنا شروع ہو ہی جاتا ہے فنا کی طرف وہ بڑھنی شروع ہو ہی جاتی ہے، ایک لحاظ سے دیکھیں تو ہر چیز فنا ہو رہی ہے اور دوسرے لحاظ سے دیکھیں تو ہر چیز کو بقا بھی ہے دوام بھی ہے جیسے وہ فنا ہی نہیں ہو رہی تو ایک بندہ زبان سے جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو وہ بھی فنا نہیں ہوتا وہ بھی قائم ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ یَمْلَأُ الْمِیْزَانَ وَیَمْلَأُ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ایسے کلمات آتے ہیں، کلماتِ حمد و ثنا جو خدا کی تعریف اور پاکیزگی کے کلمات ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وغیرہ ان کلمات کے بارے میں یَمْلَأُ الْمِیْزَانَ کا لفظ بھی ہے اور یَمْلَأُ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ بھی ہے آسمان و زمین کے درمیان بھر لیتا ہے۔

یہ آواز جو ہماری زبان سے نکلتی ہے کہاں کہاں پہنچتی ہے اور کہاں تک اس کا منتہٰی ہوتا ہے اس کے اثرات کہاں تک جاتے ہیں اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز کے اثرات ہر جگہ پہنچ کر رہتے ہیں۔ بڑی بڑی دُور پہنچتے ہیں جیسے کہ ایک ڈلا ماریں ساکن پانی میں اور اس سے لہریں پیدا ہوتی ہیں اور وہ لہریں دُور تک جاتی ہیں۔ اسی طرح سے گویا جو آدمی زبان سے کلمات ادا کر رہا ہے

وہ بھی فضا میں دُور تک چلے جاتے ہیں کہاں تک گئے کہاں تک نہیں گئے یہ اللہ تعالیٰ جان سکتے ہیں مگر بتایا گیا ایسے کہ جیسے زمین و آسمان کو بھر دیتے ہیں یعنی ان کا گذر ہر جگہ ہوتا ہے اور کتنی دیر میں ہوتا ہے کتنا وقت لگتا ہے یا نہیں لگتا وقت یا بالکل فوری ہوجاتا ہے۔ کونسی چیز مُراد ہے حدیث میں اس کی تشریح و تعیین ہم نہیں کر سکتے، لبس حدیث میں جو آیا ہے وہ صحیح ہے اور اس کی تشبیہ دی جاسکتی ہے اور اُسے عقلاً غور کیا جائے تو صحیح ہی قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ سمجھ میں آتی ہے وہ بات۔

تو یہاں حدیث شریف میں یہ آتا ہے کہ روزہ سفارش کرے گا خداوندِ کریم سے کہ اللہ تعالیٰ مَیں نے اس کو کھانا پینا اور شہوتیں جس میں پینا بھی داخل ہے۔ وہ سب چیزیں مَیں نے روک دیں تھیں۔ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ خُداوندِ کریم اس کے بارے میں مَیں تیرے سے شفاعت کرتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ خُداوندِ کریم کی ہی مرضی ہے اور ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے لیے یہ فرمایا کہ میں مان لوں گا۔ یہ طے فرمایا تو پھر یہ شکل بن گئی روزہ کی اور شفاعت قبول فرمالی جائے گی۔ وَ یَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ قرآن کہے گا یہ رات کو مجھے پڑھا کرتا تھا بالاجمال یہ بات ہے اور کونسی سُورت پڑھتا تھا اور کس سے زیادہ محبّت تھی کونسی آیت سے محبّت تھی۔ کون سے مضمون سے محبّت تھی وہ الگ چیز ہے یہ تو بالکل سادہ پڑھنا جو ہے وہ (مُراد ہے) قرآن کہے گا یہ مجھے پڑھا کرتا تھا اور رات کو نیند کی قربانی دیتا تھا تو گویا مَیں نے اسے سونے سے روکا خداوندِ کریم میں بھی اِس کے بارے میں شفاعت کرتا ہوں کہ تو اسے بخش دے فَیُشَفَّعَانِ حدیث میں آتا ہے کہ ان دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی اور اس کی بخشش ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا اور رحمتوں سے دُنیا اور آخرت میں نوازے۔ (آمین)

"انوارِ مدینہ" میں

# اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

الحاج سید امین گیلانی

# سب گھرانوں میں معزز ہے گھرانہ اُن کا

ہو گیا دل میں مِرے جب سے ٹھکانہ اُن کا
مِرے ہونٹوں پہ ہے ہر وقت ترانہ اُن کا

وہ گئے کعبے سے اقصیٰ تو وہاں سے تا عرش
آؤ مَیں تم کو سُناتا ہوں فسانہ اُن کا

وہ سواری بھی نرالی تھی نرالے تھے سوار
دوش پر اپنے نواسوں کو بٹھانا اُن کا

اُن کی چشمین پہ قرباں مَیں جنھوں نے دیکھا
اپنی چشمین کو سرمے سے سجانا اُن کا

مُسکرا کر کبھی ملنا وہ بڑے بوڑھوں سے
ننّھے بچّوں سے کبھی ہاتھ ملانا اُن کا

حسنِ اخلاق سے کرتے تھے دلوں کو وہ شکار
کبھی چُوکا ہی نہ تھا اُن سے نشانہ اُن کا

مہِ کامل بھی جسے دیکھ کے ہوتا تھا نثار
رُخِ پُرنور کچھ ایسا تھا سہانا اُن کا

اُن کے اصحاب ہیں کُل نبیوں کے اصحاب سے خُوب
سب گھرانوں سے معزز ہے گھرانہ اُن کا

ہر زمانے میں زمانہ یہ گواہی دے گا
ہر زمانے سے مُبارک ہے زمانہ اُن کا

مَلک وجنّ و بشر وجد میں آئے سُن کر
ایک اعجاز تھا قرآن سُنانا اُن کا

قابلِ دید تھا کعبے میں تھے جتنے بھی صنم
جوشِ توحید میں وہ توڑنا ڈھانا اُن کا

دین ہے اُن کا اَدب اُن کی محبّت ایمان
یہ محبّت یہ ادب بھول نہ جانا اُن کا

کتنے بیتاب تھے وہ بخششِ اُمّت کے لیے
جاگ کے راتوں کو وہ اشک بہانا اُن کا

اُن کے آنے سے امیںؔ کِھل اُٹھی ساری دُنیا
ساری دُنیا کو مُبارک ہُوا آنا اُن کا

# سلوک و طریقت کے جواہر پارے

ذیل کے کلمات مقدسہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے ایک خاص مجلس میں ارشاد فرمائے تھے جو اُس وقت مولانا محمد افضال الحق نے قلم بند فرمائے تھے۔ ہم ان مبارک کلمات سے انوارِ مدینہ کو مزین کرنیکا شرف حاصل کرتے ہوئے رُوحانی انبساط محسوس کرتے ہیں

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

مَیں سلوک و تصوّف کے متعلّق کچھ کہنا چاہتا ہُوں مگر ضُعف کی وجہ سے آپ کا زیادہ وقت نہیں لُوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "احسان" کی بہت تعریف کی ہے۔

انّ رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔ اِنّ الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اُولٰئک الذین نتقبل عنہم احسن ما عملوا ونتجاوز عن سیّئاتہم۔ للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ۔ اِنّ اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔

اور بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے "احسان" اور محسنین کی تعریف فرمائی ہے جس سے "احسان" کا مقصود و مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کی اہمیّت کے پیشِ نظر حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے جناب سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اسلام ایمان اور احسان کا سوال کیا ہے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے احسان کی تعریف فرمائی ہے۔ اَنْ تعبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ احسان یہ ہے کہ عبادت کی حالت میں خیال ایسا ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ غلام جب اپنے آقا کو دیکھ کر کام کرتا ہے تو خشوع و خضوع کی کوئی حالت نہیں چھوڑتا جس کو اپنے اندر پیدا نہ کر لیتا ہو۔ یہی حالت اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہونی چاہیے۔ اسی کا نام "احسان" ہے اسی احسان کو حاصل کرنے کے لیے تصوّف کے تمام کام کیے جاتے ہیں ہم عبادت کرتے ہَیں تو زبان پر فاتحہ شریف اور کلام اللہ ہوتا ہے اور دل تجارت، اہل و عیال اور دنیاوی ضرورتوں میں لگا رہتا ہے یہ تو احسان نہ ہُوا یہ تو غفلت ہُوئی احسان تو اس طرح

ہونا چاہیے جس طرح مالک رو برو غلام رہتا ہے، یہ احسان حاصل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے جو کام کیے جاتے ہیں اسے "سلوک" کہتے ہیں۔ حضراتِ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں دو چیزیں مقصود ہوتی تھیں، ایک حضور مع اللہ اسی کو احسان کہتے ہیں۔ دوسری شکل و صورت اخلاق و عادات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سی ہونی چاہییں متقدمین اخلاق و عادات کے دُرست کرنے کو مقدم رکھتے تھے جس سے انسان کے دل سے ریا، سمعہ، کبر و بغض وغیرہ کو دُور کیا کرتے تھے، اس میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔ اس کے بعد حضور مع اللہ کی تعلیم دیا کرتے تھے اس میں عمریں لگ جاتی تھیں اور بسا اوقات حضور حاصل ہونے سے پہلے سالک کی زندگی ختم ہو جاتی تھی متاخرین نے احسان یعنی حضور کو مقدم رکھا ہے۔ اسی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جس کے ساتھ ساتھ اخلاق کی درستگی کی بھی کوشش ہوتی رہتی ہے اور خود حضور کی کیفیّت سے آہستہ آہستہ اخلاق کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔ انہی کوششوں کا نام اب سلوک و تصوّف پڑ گیا ہے۔ دورِ صحابہ میں احسان کی کیفیّت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں صرف صُحبت کی برکت سے حاصل ہوتی تھی۔ آپ کے انوار سے دِل کی گندگی دُور ہو جاتی تھی اور حضور حاصل ہو جاتا تھا، لیکن زمانہ جیسے جیسے گزرتا گیا محنت اور ریاضت کی ضرورت بڑھتی گئی۔ غیر اللہ کا تعلّق اور دُنیا کی محبّت کی وجہ سے جو میل کچیل دل میں بڑھ گیا اسے دُور کرنا پڑا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

ہر چیز کے صاف کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے جس سے اس کی گندگی اور زنگ دُور کیا جاتا ہے اور دلوں کی صفائی کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس ذکر سے دل کی صفائی کا جو کام کیا جاتا ہے اس سے "حضور" حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسی کا نام "سلوک" ہے اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ نقشبندیہ کے یہاں ذکر آہستہ آہستہ ہے قادریہ اور چشتیہ کے یہاں ذکر بالجہر ہے (ذکر جہری سے دل صاف ہو جاتا ہے) سہروردیہ کے یہاں وظائف و نوافل بہت ہیں شاذلیہ درود شریف کی بہت کثرت پر زور دیتے ہیں مگر آخر میں سب ایک جگہ آ کر جمع ہو جاتے ہیں اور وہ ہے مراقبہ ذاتِ باری کا یعنی حضور و احسان حاصل ہو جائے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ بہر حال دل کی صفائی کے جو طریقے ہیں وہ ہی سلوک ہیں۔

**مراتبِ تصوّف** | سلوک و تصوّف کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ احسان کا نام ہے جسے قرآن مجید میں بار بار کہا گیا ہے

مشائخ کے نزدیک احسان کا کم از کم مرتبہ ملکۂ یادداشت ہے یعنی دل میں اتنی قوت اور اتنا رسوخ پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوسکے اس کے بھی مراتب ہیں بعض اس درجہ ترقی کر جاتے ہیں کہ کسی وقت اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے ہر حال میں یاد رکھتے ہیں۔

یہ چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت سے ایسی حاصل ہو جاتی تھی کہ کہیں رہیں دُنیا کے کسی کاروبار میں مشغول ہوں اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ یاد دو طرح کی ہوتی ہے ایک لفظ اللہ اللہ یعنی اسم ذات کی یاد لفظ اللہ الرحمٰن وغیرہ اسم ہے یہ کم مرتبہ کا ذکر ہے۔ دوسرا ذکر مسمّی ذکر ہے مسمّی ذات مقدسہ ہے جو رازق ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کیا ہے۔ ذات اور مسمّی کا ذکر اصلی اور اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے جو بہت محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب قلب میں اس کا رسوخ پیدا ہو جاتا ہے تو اسے ملکہ یادداشت کہتے ہیں۔ اس کے بعد ذکر سے غفلت نہیں ہوتی جب یہ ملکۂ یادداشت کسی اللہ کے بندے میں پیدا ہو جاتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے میں آج مندرجہ فہرست ۱۶ بنگال آسام کے ایک بخاری صاحب اور ۸ بہار کے لوگوں کو اجازت دیتا ہوں جنہوں نے محنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے، مگر اس سے آدمی میں کبر اور گھمنڈ نہیں پیدا ہونا چاہیے۔ عبادت میں ہمیشہ کوشش کرتے رہنا چاہیے جتنا بھی آگے بڑھے اتنا ہی ڈرنا ضروری ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اس کی رحمت مانگنی چاہیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم انتہائی تقدس کے باوجود سب سے زیادہ اللہ سے خوف کھایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کے وقت تہجد پڑھنے میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایسی آواز آتی تھی، جیسے ہانڈی کے پکنے سے آتی ہے۔ اس طرح حضورؐ راتوں کو رویا کرتے تھے۔ کسی وقت مطمئن نہ ہونا چاہیے ہر وقت ڈرنا چاہیے جب تک ایمان پر خاتمہ نہ ہو جائے کسی کو حقارت سے نہ دیکھے سب سے مل جل کر رہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کو مضبوطی سے پکڑے یادِ باری سے غافل نہ ہو۔

وَتُوبُوٓا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اور مسلمانوں تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ

(قسط: ۲ آخری)

# توبہ کی ضرورت اور اہمیت

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری دامت برکاتہم

## حقوق العباد کی تفصیل اور اُن کی ادائیگی کا اہتمام

توبہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ حقوق العباد کی تلافی کرے اور حقوق العباد کی تلافی کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے جو حقوق واجب ہوں ان سب کی ادائیگی کرے اور یہ حقوق دو قسم کے ہیں۔

اوّل مالی حقوق — دوسرے آبرو کے حقوق

**مالی حقوق** مالی حقوق کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی کا تھوڑا بہت مال ناحق قبضہ میں آگیا ہو اُسے پتہ ہو یا نہ ہو وہ سب واپس کردیں۔ مثلاً کسی کا مال چُرایا ہو، ڈاکہ ڈالا ہو یا قرض لے کر مار لیا ہو۔ (قرض دینے والے کو یاد ہو یا نہ ہو) یا کسی سے رشوت لی ہو یا کسی کے مال میں خیانت کی ہو یا کسی کی کوئی چیز مذاق میں لے کر رکھ لی ہو (جبکہ وہ اس کے دینے پر اپنے نفس کی خوشی سے راضی نہ ہو) یا کسی سے سود لیا ہو تو اس طرح کے سب اموال واپس کردے۔ واپس کرنے کے لیے یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ مَیں نے آپ کی خیانت کی تھی۔ ہدیہ کے نام سے دینے سے ہی ادائیگی ہو جائے گی۔

**آبرو کے حقوق** آبرو کے حقوق کی تلافی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ناحق مارا ہو یا کسی کی غیبت کی ہو یا غیبت سُنی ہو، گالی دی ہو۔ تہمت لگائی ہو یا کسی بھی طرح سے کوئی جسمانی یا روحانی یا قلبی تکلیف پہنچائی ہو تو اُس سے معافی مانگ لے۔ اگر وہ دُور ہو تو اُس کو عذر نہ سمجھے بلکہ خود جا کر یا خط بھیج کر معافی طلب کرے اور جس طرح ممکن ہو اُس سے معافی مانگ کر اُس کو راضی کرے۔ اگر ناحق مار پیٹ کا بدلہ مار پیٹ کے ذریعے دینا پڑے تو اُسے بھی گوارا کرے۔ البتہ غیبت کے

بارے میں اکابر نے یہ لکھا ہے کہ اگر اُس کو غیبت کی اطلاع پہنچ چکی ہو تو اس سے معافی مانگے، ورنہ اُس کے لیے بہت زیادہ مغفرت کی دُعا کرے جس سے یقین ہو جائے کہ جتنی غیبت کی تھی، یا غیبت سُنی تھی اُس کے بدلہ اُس کے لیے اتنی دُعا ہو چکی ہے کہ اُس دُعا کے دیکھتے ہوئے وہ ضرور خوش ہو جائے گا اور غیبت کو معاف کر دے گا۔

یہ بات دل میں بٹھا لینا چاہیے کہ حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے ہیں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ نابالغی میں نماز روزہ تو فرض نہیں ہے لیکن حقوق العباد نابالغی میں بھی معاف نہیں۔ اگر کسی لڑکے یا لڑکی نے کسی کا مالی نقصان کر دیا تو وارث پر لازم ہے کہ بحیثیت ولی خود لڑکے لڑکی کے مال سے اس کی تلافی کرے۔ اگرچہ صاحب حق کو معلوم بھی نہ ہو۔ اگر ولی نے ادائیگی نہیں کی تو بالغ ہو کر خود ادا کریں یا معافی مانگیں۔

بہت سے لوگ ظاہری دینداری بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ زبانی توبہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن گناہ نہیں چھوڑتے، حرام کمائی سے باز نہیں آتے اور لوگوں کی غیبت کو شیرِ مادر سمجھتے ہیں اور ذرا بھی دل میں احساس نہیں ہوتا کہ ہم غیبتیں کر رہے ہیں۔ بس اب دینداری کُرتہ، ٹوپی اور داڑھی اور نماز پڑھنے کی حد تک رہ گئی ہے۔ صرف زبانی توبہ کرنا اور گناہ نہ چھوڑنا اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی تلافی نہ کرنا یہ کوئی توبہ نہیں جو لوگ رشوت لیتے ہیں یا سود لیتے ہیں یا کاروبار میں فریب دے کر ناجائز طور پر پیسہ کھینچ لیتے ہیں ایسے لوگوں کا معاملہ بہت کٹھن ہے۔ کس کس کے حق کی تلافی کرنا ہے اُس کو یاد رکھنا اور تلافی کرنا اور حقوق والوں کو تلاش کر کے پہنچانا پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ سخت ہے، لیکن جن کے دل میں آخرت کی فکر اچھی طرح جاگزیں ہو جائے وہ بہر حال حقوق والوں کے حقوق کسی نہ کسی طرح پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔

ہمارے ایک اُستاد ایک تحصیلدار کا قصہ سُناتے تھے کہ جب وہ حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مُرید ہوئے اور دینی حالت سدھرنے لگی، اور آخرت کی فکر نے ادائیگی حقوق کی طرف متوجّہ کیا تو اُنھوں نے اپنے زمانۂ تعیناتی میں جو رشوتیں لی تھیں ان کو یاد کیا اور حساب لگایا۔ عموماً متحدہ پنجاب کی تحصیلوں میں وہ تحصیلداری پر مامور رہے تھے اور جن لوگوں سے رشوتیں لی تھیں ان میں زیادہ تر سکھ قوم کے لوگ تھے۔ اُنھوں نے تحصیلوں میں

جا کر مقدمات کی فائلیں نکلوائیں اور ان کے ذریعے مقدمات لانے والوں کے پتے لیے۔ پھر گاؤں گاؤں اُن کے گھر پہنچے اور بہت سوں سے معافی مانگی اور بہت سوں کو نقد رقم دے کر سبکدوشی حاصل کی۔

ان تحصیلدار صاحب سے ہمارے اُستاد موصوف کی خود ملاقات ہوئی تھی اور اُنھوں نے اپنا یہ واقعہ اُن کو خود سُنایا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ حضرت حکیم الامّت قدس سرہ کے والد کی دو بیویاں تھیں اپنے والد کی وفات کے بعد اُنھیں خیال آیا کہ ان بیویوں کے مہر ادا نہیں ہوئے تھے۔ دونوں بیویاں بھی وفات پاچکی تھیں، حضرت حکیم الامّت قدس سرہ نے ان کے رشتہ داروں کا پتہ چلایا اور ان میں سے جس جس کو میراث پہنچتی تھی سب کو اُن کا حق پہنچایا ان میں جو وفات پاگئے تھے ان کی اولاد کو تلاش کیا اور حق دیا۔ ان میں سے ایک بیوی کاندھلہ کی تھیں، اُن کے کسی عزیز کے حساب میں دو پیسے نکلتے تھے، حضرت والا نے مجھے (یعنی حضرت شیخ کو) وکیل بنایا تاکہ اُن کا حق پہنچاؤں۔

حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور واقعہ یاد آگیا وہ سفر میں کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ ساتھ میں سامان بھی تھا۔ آپ نے ریل کا ٹکٹ تو خرید لیا، لیکن اسٹیشن کے اسٹاف سے کہا یہ سامان بھی میرے ساتھ ہے اس کو تول دو۔ اُنھوں نے کہا لے جائیے فکر نہ کیجیے، فرمایا، تم تو چھوڑ دو گے آگے کیا ہوگا، اُنھوں نے کہا آگے جہاں آپ کو اُترنا ہوگا۔ ہمارا یہ ٹکٹ چیکر آپ کو گیٹ سے نکال دے گا۔ فرمایا اس کے بعد کیا ہوگا ؟ کہنے لگے کہ اس کے بعد اور کیا ہے ؟ فرمایا، اس کے بعد آخرت ہے، اس خیانت کی گرفت سے وہاں کون چھڑائے گا، وہاں کے گیٹ سے کون پار کرائے گا ؟

حضرت حکیم الامّت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصّہ اور یاد آیا ایک مرتبہ کسی اسٹیشن پہ رات کو (غالباً گاڑی کے انتظار میں ٹھہرنا پڑ گیا) اسٹیشن ماسٹر نے جس کمرہ میں ٹھہرنے کو کہا اس میں اندھیرا تھا، اندھیرے سے وحشت ہوئی جی چاہا کہ روشنی ہو، لیکن یہ خطرہ ہوا کہ یہ شخص ناجائز طور پہ ریلوے کا لال ٹین نہ لے آئے، خطرہ گزرا ہی تھا کہ اس نے ملازم سے کہا کہ بھئی ان کے لیے ہمارے گھر سے لال ٹین جلاؤ، بات یہ ہے کہ جب فکر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ہوتی ہے۔

## ایک سوال اور اُس کا جواب

ممکن ہے بعض حضرات یہ سوال کریں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے حقوق تو مار لیے اور جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب اُن کے پاس پیسے نہیں لہٰذا حقوق کس طرح ادا کریں اور بہت سے لوگوں کے پاس پیسے تو ہیں لیکن اصحاب حقوق یاد نہیں اور تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتے ان کو پہنچانے کا کوئی راستہ نہیں۔ اب یہ لوگ کیا کریں؟

اس کے بارے میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں اس کا حل بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ جو اصحابِ حقوق معلوم ہیں اُن سے جا کر یا بذریعہ خطوط معافی مانگیں اور ان کو بالکل خوش کر دیں کہ جس سے اندازہ ہو جائے کہ انھوں نے حقوق معاف کر دیے اگر وہ معاف نہ کریں تو اُن سے مہلت لے لیں اور تھوڑا تھوڑا کما کر اور آمدنی میں سے بچا کر ادا کریں اور اگر ادائیگی سے پہلے ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اُس کی اولاد کو ہی باقی ماندہ حق پہنچا دیں۔

اہلِ حقوق میں سے جو لوگ زندہ ہوں، لیکن اُن کا پتہ معلوم نہ ہو تو اُن کی طرف سے اُن کے حقوق کے بقدر مسکینوں کو صدقہ دے دیں جب تک ادائیگی نہ ہو۔ صدقہ کرتے رہیں اور تمام حقوق والوں کے لیے خواہ مالی حقوق ہوں اور خواہ آبرو کے حقوق ہوں بہرحال دُعائے خیر اور استغفار ہمیشہ پابندی سے کریں۔

## آخرت میں حقوق العباد کا حساب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلّم نے دریافت کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم تو اسے مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس درہم[1] نہ ہو اور مال نہ ہو۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بلاشبہ میری اُمّت کا (حقیقی) مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے روز نماز اور روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا۔ (یعنی اُس نے نمازیں پڑھی ہوں گی اور روزے بھی رکھے ہوں گے زکوٰۃ بھی ادا کی ہوگی) اور (ان سب کے باوجود)

لہ درہم اس زمانہ میں ایک سکّہ تھا جو چاندی کا ہوتا تھا اسکا وزن پاؤ تولہ (یعنی تقریباً تین گرام یا تین ماشہ) کے قریب تھا۔ ۱۲

اس حال میں (میدانِ حشر میں) آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا اور کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا (اور چونکہ قیامت کا دن فیصلے کا دن ہوگا) اس لیے اس شخص کا فیصلہ اس طرح کیا جائے گا کہ جس جس کو اُس نے ستایا تھا اور جس جس کی حق تلفی کی تھی سب کو اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی کچھ اس کی نیکیاں اس حق دار کو دی جائیں گی اور کچھ اس حقدار کو دے دی جائیں گی۔ پھر اگر حقوق پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو حق داروں کے گناہ اُس کے سر ڈال دیے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(مسلم شریف)

دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کر رکھا ہو کہ اس کی بے آبروئی کی ہو یا اور کچھ حق تلفی کی ہو تو آج ہی (اس کا حق ادا کر کے یا معافی مانگ کر) اس دن سے پہلے حلال کرالیوے جس روز دینار ہوگا نہ درہم ہوگا (پھر فرمایا کہ) اگر اس کے کچھ اچھے عمل ہوں گے تو بقدر ظلم اس سے لے لیے جائیں گے اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی بُرائیاں لے کر اس ظالم کے سر کر دی جائیں گی۔ (بخاری شریف)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صرف پیسہ کوڑی دبالینا ہی ظلم نہیں ہے بلکہ گالی دینا تہمت لگانا، بے جا مارنا، بے آبروئی کرنا بھی ظلم اور حق تلفی ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم دیندار ہیں مگر ان باتوں سے ذرا نہیں بچتے۔ یہ یاد رکھو کہ خدا اپنے حقوق کو توبہ واستغفار سے معاف فرما دیتا ہے مگر بندوں کے حقوق جب ہی معاف ہوں گے جبکہ اُن کو ادا کر دے یا اُس سے معافی مانگ لے

اور یہ بھی واضح رہے کہ معافی وہ معتبر ہے جو معاف کرنے والا بالکل رضا و رغبت کے ساتھ اپنے نفس کی خوشی سے معاف کر دے۔ دل کے اُوپر اُوپر کی معافی جو مروّت میں کر دی جائے۔ یا یہ سمجھتے ہوئے کوئی شخص معاف کر دے کہ ان کو دینا تو ہے ہی نہیں۔ چلو ظاہری طور پر معاف ہی کر دیں تاکہ تعلقات خراب نہ ہوں تو ایسی معافی کا کچھ اعتبار نہیں۔

احقر سے دہلی میں ایک صاحب نے دریافت کیا کہ میرے ذمّہ بعض عزیزوں کا قرضہ تھا۔ وہ اُنھوں نے معاف کر دیا۔ تو کیا معاف ہو گیا؟

مَیں نے کہا جب اُنھوں نے معاف کر دیا تو آپ کے دل میں تردّد کیوں ہے؟ آپ کے دل

میں تردّد کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے خوشی سے معاف نہیں کیا۔

پھر مَیں نے اُن سے پوچھا کہ معاف کرنے کے بعد انھوں نے کسی سے اس بات کی شکایت تو نہیں کی کہ ہمارے پیسے فلاں شخص نے دبا لیے؟ کہنے لگے ہاں! ایسا تو ہُوا ہے۔ مَیں نے کہا معاف کر دینے کے بعد شکایت کیوں کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یوں ہی اُوپر اُوپر سے معافی کے الفاظ کہہ دیے تھے نفس کی خوشی سے معاف نہیں کیا۔ اور اس طرح کی معافی معتبر نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ان کا قرضہ ادا کرنے کے لیے فکر کریں۔

## حقوق العباد کے بارے میں چند تنبیہات

(۱) جس کسی نے اپنا مال تھوڑا ہو یا بہت خواہ کسی بھی جنس سے ہو کسی کے پاس حفاظت کے لیے رکھ دیا یہ مال اُس کے پاس امانت ہے۔ اسے خُوب اچھی طرح حفاظت سے رکھے اور امانت رکھنے والا جب مانگے تو دے دے اگر دینے سے انکار کر دیا اور وہ ہلاک ہو گئی تو اس کا ضمان لازم ہو گا۔

(۲) امانت کی چیز اگر خرچ کر لے یا ہلاک کر دے تب بھی ضمان لازم ہو گا۔

(۳) اگر کسی نے کسی سے کوئی چیز "عاریۃً" (مانگنے کے طور پر) لی، پھر ہلاک کر دی تو اس کا بھی ضمان لازم ہو گا۔

(۴) اگر کوئی مہمان یا گاہک گھر یا دُکان پر اپنی کوئی چیز بھول جائے تو وہ امانت ہے۔ اس کا خرچ کر لینا جائز نہیں۔ صاحب مال کے آنے کا انتظار کرے اور آنے جانے والوں سے تلاش بھی کروائے اور پتہ چلوائے کہ یہ شخص کہاں ہے؟ جب نا اُمیدی ہو جائے تو اُس کی طرف سے صدقہ کرے، لیکن اگر وہ کبھی آ گیا اور صدقہ پر راضی نہ ہُوا تو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہو گا اور صدقہ اپنی طرف سے ہو جائے گا۔

(۵) اگر کوئی شخص کوئی گری پڑی چیز کہیں پالے تو مالک کو پہنچانے کی نیت سے اُٹھا سکتا ہے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اُٹھانا واجب ہے اُٹھا لینے کے بعد اعلان کرے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو لے لے، جس جگہ چیز ملی ہے اس کے قریب جو آبادیاں ہوں ان میں اعلان کرے اور اتنا عرصہ اعلان کرے کہ یقین ہو جائے کہ اب مالک نہیں آئے گا۔ اس کے بعد مالک کی طرف سے مستحقین زکوٰۃ کو صدقہ کر دے اگر خود صاحب نصاب نہیں تو اپنے اُوپر

بھی خرچ کر سکتا ہے، لیکن ہر صورت میں اگر صاحب مال آگیا تو مال کی قیمت ادا کرنا لازم ہو گا اور صدقہ کا ثواب صدقہ کرنے والے کو مل جائے گا۔ جب کوئی چیز اُٹھائے تو گواہ بنا لے کہ حفاظت کرنے کے لیے اور مالک تک پہنچانے کے لیے اُٹھا رہا ہوں، اگر اس جگہ گواہ نہ ملیں تو آبادی میں پہنچ کر گواہ بنا لے کہ یہ چیز میں مالک تک پہنچانے کے لیے اُٹھا لایا ہوں اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ لوگ چوری کرنے یا غصب کرنے کی تہمت نہ رکھیں گے۔ اگر کوئی ایسی چیز پڑی ملی یا کوئی شخص دُکان یا گھر پر چھوڑ کر چلا گیا جو زیادہ دیر باقی نہیں رہ سکتی۔ جب خراب ہونے لگے تو اس کو صدقہ کر دے زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں، البتہ اس سے پہلے اعلان جاری رکھے۔

(۶) اگر کوئی شخص قرض دے کر بھول جائے یا لحاظ کی وجہ سے طلب نہ کرے یا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے دعوٰی نہ کر سکے یا کسی بھی طرح کسی کی کوئی چیز اپنے قبضہ میں آجائے اور صاحبِ مال کو اس کا علم ہو تب بھی اس کا پہنچانا اور ادا کرنا واجب ہے۔

(۷) حکومتوں کے قانون کی آڑ لے کر کسی کا حصّہ میراث دبا لینا حرام ہے۔ نیز جسے شرعاً حصّہ نہ پہنچتا ہو اس کو کسی حکومت کے قانون کی وجہ سے حصّہ لینا بھی حرام ہے۔ (مثلاً پوتے کو چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث شرعاً نہیں پہنچتی مگر جو حکومتیں شریعت کے خلاف چلتی ہیں وہ دلا دیتی ہیں ان کے دلا دینے سے لینا حلال نہ ہو گا۔

(۸) اگر کوئی شخص وفات پا گیا اور اُس کا کوئی قرض کسی کی طرف ہے یا مرنے والے کا اور کوئی مال کسی طرح قبضہ میں آیا ہوا ہے مثلاً اُس نے امانت رکھی تھی یا چوری کر کے اس کا مال لے لیا تھا یا غصب کر کے لیا تھا، تو اس کے وارثوں تک اس کا پہنچانا فرض ہے (جیسا کہ اس کی زندگی میں خود اس کو دینا فرض تھا۔)

(۹) اوقاف کے مال اور عمارات سب امانت ہوتے ہیں۔ وقف کرنے والوں کی شرطوں کے خلاف تصرف کرنا خیانت ہے، بہت سے لوگ جن کا اوقاف پر قبضہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں پر بھی اوقاف کا مال خرچ کر دیتے ہیں جن پر واقف کی شرائط کے اعتبار سے خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا یا اپنے ملنے والوں کو شرائط کے خلاف، اوقاف کی عمارتوں میں ٹھہرا دیتے ہیں یا اُن کو مختصر سے کرایہ پر دے دیتے ہیں یہ سب حرام ہے اور خیانت ہے۔

(۱۰) بعض لوگوں کے پاس وقف کا مکان کرایہ پر ہوتا ہے اور وہ پُرانا کرایہ ہی دیتے رہتے ہیں، حالانکہ ہر دَور میں وہی کرایہ دینا لازم ہے جو مکان کے مناسب حال ہو۔ اگر وقف کا ذمہ دار اس میں رعایت دے یا چشم پوشی کرے۔ تب بھی کم کرایہ پر اکتفا کرنا حلال نہیں ہے۔ یہ دیکھ لیں کہ اس طرح کا مکان اگر کسی کی ملکیت میں ہوتا تو وہ کتنے کرایہ پر ملتا ؟ اس کے موافق کرایہ پر دیں اور اور یہ بھی واضح رہے کہ ایک سال سے زیادہ کے لیے وقف کی زمین کرایہ پر دینا جائز نہیں۔

(تلک عشرۃ کاملۃ)

یہ چند مثالیں لکھ دی ہیں غور کرنے سے اور بھی بہت سی صورتیں ایسی نکل آئیں گی جن میں امانتداری کی خلاف ورزی ہوتی رہتی ہے اور ان میں عامۃ النّاس مُبتلا ہیں۔

## ایک بہت بڑی خیانت

ایک بہت بڑی خیانت ٹیلیفون کے محکمہ میں کام کرنے والوں کی طرف سے شروع ہوگئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے گھروں اور دُکانوں میں ٹیلیفون ہیں، خاص کر وہ لوگ جو شہر سے باہر یا ملک سے باہر ٹیلیفون کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے آپریٹر کہہ دیتا ہے کہ آپ ماہانہ اتنی رقم دیں، پھر جتنی جگہ فون کریں یا جتنی بار کریں آپ کو آزادی رہے گی اور کلّی اختیار رہے گا اس میں سراپا خیانت ہے۔ بہت بڑی خیانت ہے۔ آپریٹر اور ٹیلیفون کرنے والے سب خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں اور محکمہ کی بڑی بڑی رقوم ہضم کر جاتے ہیں۔ اُن کو موت کے بعد کا کوئی خیال نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر آخرت کی فکر ہی نہیں رہی، دل کی لگی بُری ہوتی ہے۔ اگر فکر ہو جائے جسے واقعی فکر کہتے ہیں اور دوزخ کی آگ کا یقین ہو جائے تو نیند ہی نہ آئے جب تک کہ حقوق العباد ادا نہ کر دے فکر تو بعد کی بات ہے۔ یقین ہی کچّا ہے۔ جو یقین کہنے کے لائق نہیں اس لیے حقوق کی ادائیگی اور ادائیگی فرائض و واجبات اور اجتنابِ محرمات کی طرف توجہ نہیں۔

لوگ مال و دولت کو اور حکومت و سلطنت کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ دُنیا کے عہدے حاصل ہو جانے کو کامیابی جانتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں میں ملوّث ہو کر یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں جو چیزیں گناہوں سے حاصل ہوں گی اُن میں خیر کہاں ؟ وہ تو مزید گناہوں کا ذریعہ بنیں گی۔ گناہوں کی گٹھڑی لے کر

قیامت میں حاضر ہونا کوئی سمجھداری نہیں ہے۔ گزشتہ گناہوں سے توبہ کرو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرو اور آئندہ کو گناہوں سے بچو۔

اللہ جلّ شانہٗ ہم سب کو گناہوں سے محفوظ فرمائے اور اعمالِ صالحہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔

جو قوم خدا سے اپنا رشتہ کاٹ دیتی ہے اور اس کے فرمان واحکام سے روگردانی کرتی ہے اس کے اعمال نورالٰہی سے خالی ہوجاتے ہیں۔ اس پر ضلالت اور گمراہی کا ایک شیطان مسلّط ہوجاتا ہے اور وہ اس کو اپنا مَرکَب بنا کر اس کے گلے میں اپنی اطاعت کی زنجیریں ڈال دیتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (۴۳-۳۶)

اور جو شخص خدا کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے ہم اس پر ضلالت کا ایک شیطان مسلّط کردیتے ہیں جو اس کے ساتھ رہتا ہے۔

پھر وہ یکسر گمراہی اور ضلالت ہوجاتی ہے۔ اس کی زندگی ناکامی اور نامرادی کی تصویر بن جاتی ہے۔ وہ طلب مقصود میں آوارہ گردی کرتی ہے، مگر چونکہ مقصد تک پہنچانے والے ہاتھ میں اس کا ہاتھ نہیں ہوتا۔ اس لیے کبھی مقصود تک نہیں پہنچتی مسلمانوں کے تمام ترقی کے ولولوں اور اصلاح کی کوششوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے۔ نامرادی کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں اُن کے لیڈر پانی کو ڈھونڈتے ہیں، مگر دوڑتے ہیں ریگ زار کی طرف

اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا

ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت ہوتا ہے کہ پیاسا دُور سے اس کو پانی سمجھ کر چلا مگر جب پاس آیا تو کچھ بھی نہ تھا

الہلال ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء

(قسط : ۱)

# راعی اور رعایا کے حقوق

مولانا سیّد محمود میاں صاحب نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

ماہِ ذی الحجہ میں جامعہ مدنیہ میں ہونے والے جلسہ کی پہلی تقریر نذر قارئین کی جا رہی ہے اس کے بعد حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب دامت برکاتہم کی تقریر شائع کی جائے گی ۔ انشاء اللہ (ادارہ)

○

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہٖ سیّدنا و مولانا محمدؐ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ،

امابعد

سب سے پہلے میں اس مجلس کے صدر حضرت مولانا سیّد رحمت اللہ الحُسینی خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حُسین احمد نور اللہ مرقدہٗ کا شکرگزار ہوں کہ اُنھوں نے اس پیرانہ سالی میں لمبا سفر فرما کر ہماری درخواست پر ہماری حوصلہ افزائی اور عزّت افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اس پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس کے بعد اپنے مہمانِ خصوصی حضرت مولانا اجمل خان صاحب کا بھی تہہ دِل سے شکرگزار ہوں کہ بیماری اور علالت کے باوجود ہماری درخواست کو اُنھوں نے قبول فرمایا اور اِس جلسہ کو رونق بخشی ۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی سایہ ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھے ۔ کچھ لمبا بیان کرنا نہیں چاہتا ۔ ایک دو چیزوں کی طرف توجہ دلانا مقصد ہے ، مجھے تو بیان نہیں کرنا آتا بس ایک جھک ہے اس بیان میں حدیث شریف بیان ہو گی ۔ اللہ کی بات بیان ہو گی تو اس کے طفیل میں ہماری جھک بھی شاید قبول ہو جائے ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلیل القدر صحابی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں ان سے ایک حدیث شریف آتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ

والسّلام نے فرمایا ہے۔

" اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَ ھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ اَوْ عَبْدُ السَّیِّدِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ " (اَوْکَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلام)

اس حدیث شریف میں نبیؐ کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے تین قسم کے طبقوں ـــ ایک ہائی کلاس کا طبقہ ہوتا ہے۔ اُونچی سوسائٹی جسے کہا جاتا ہے ایک بالکل نچلا طبقہ ہوتا ہے اور ایک درمیانہ طبقہ ہوتا ہے۔ سب ہی سے خطاب فرمایا اور ہر ایک کو اس کی ذمّہ داری کی طرف توجّہ دلائی سب سے پہلے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے چاہے بڑا ہو چاہے چھوٹا ہو چاہے درمیانے طبقہ کا ہو اور جس قسم کا بھی انسان ہو وہ راعی ہے اور راعی کا مطلب ہے کہ وہ اُمور جن کی حفاظت نگہداشت اُس کی ذمہ داری ہے۔ کچھ نہ کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ جو اُس کے تحت آتی ہیں اور جس کا وہ ذمّہ دار ہے، جب ہر شخص ذمّہ دار ہے کسی نہ کسی چیز کا تو آپ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک سے قیامت کے دن اُس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی اپنی حد میں رہتے ہوئے جہاں جہاں تمہاری رسائی تھی وہاں تم نے میرے احکامات کے ساتھ کیا کیا میرے دین پر کس طرح عمل کیا اور کس طرح عمل کرایا۔ یہ آپ نے اجمالاً ایک اُصول بتایا کہ یہ ہونا ہے اور فرمایا خبردار اَلَا کے لفظ سے ارشاد فرمایا کہ یہ بات کان کھول کر سُن لو ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ سوال جواب ہو کر رہیں گے۔ قیامت کے دن جب تک ان سوالوں کا جواب کوئی نہیں دے گا وہ میدانِ حشر سے قدم نہیں ہلا سکے گا اور پھر سب سے پہلے آپ نے سب سے بڑا حاکم جو ہوتا ہے۔ حکمران اُس کو خطاب فرمایا کہ وہ امام جو لوگوں پر راعی ہوتا ہے لوگوں کے معاملات کا محافظ ہوتا ہے نگران ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے وہ نائب اور خلیفہ ہوتا ہے، اللہ کی طرف سے وہ نائب اور خلیفہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

احکامات کو زمین پر نافذ کرنا اُس کی ذمّہ داری ہوتی ہے، عدل اور انصاف کو قائم کرنا، مظلوم کی مدد کرنا، ظالم کی سرکوبی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ کرنا اور اس کے احکامات پر عمل کرانا یہ اُس کی ذمّہ داری ہے فرمایا جس کو یہ منصب دیا جائے گا اور اللہ نے اُسے یہ منصب دیا قیامت کے دن اُس سے سوال کیا جائے گا کہ اس رعیت کے ساتھ جس رعیت پر مَیں نے تمہیں نگران مقرر کیا تھا یہ نعمت دی تھی یہ عہدہ اور منصب دیا تھا تم عام انسان کی طرح پیدا ہوئے تھے۔ عام انسان کی طرح پرورش پائی تھی اُس کی طرح نرم اور نازک اور کمزور تھے۔ تمہاری کوئی نگہداشت نہ کرتا تو تم برباد ہو جاتے مَیں نے تمام حوادث سے تمہیں محفوظ نکال کر پروان چڑھایا بڑا کیا تمہیں طاقت دی تمہیں قوت دی اور اتنی قوت دی کہ تمہاری رعیت اور حدود مملکت کا ہر شخص تمہارے ماتحت کر دیا، لیکن کیونکہ وہ میری دی ہوئی طاقت تھی اس لیے اب میں سوال کرتا ہوں تم سے کہ میرے بھیجے ہوئے احکامات کے ساتھ تم نے کیا کیا۔ یہ جواب وہ یہ اُس سے پوچھا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے تھوڑے سے لوگوں پر بھی جو حکمران ہوگا۔ چاہے وہ عادل ہو چاہے۔ وہ ظالم ہو قیامت کے دن اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے۔ اس حالت میں میدان حشر میں لایا جائے گا اُس کو اور میدان میں آنے کے بعد اگر اُس نے عدل اور انصاف کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نبی علیہ السّلام کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ہاتھ کھول دیں گے اور اُس کو پھر نجات دے دیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے کے نیچے ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوا اُس نے ظلم کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اُس کے ساتھ اُس کو ہلاک کر دیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا اُس کا ظلم اس کا جور اس کو ہلاک کر دے گا تو وہ بھی سوال سے نہیں بچے گا اُس سے سوال کیا جائے گا۔ پوچھا جائے گا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر اُس سے پوچھا جائے گا تو ماتحت کے جتنے افراد ہیں اُن سے نہیں پوچھا جائے گا ایسا نہیں ہے کوئی اس غلط فہمی میں مت پڑے کہ جب بادشاہ ایسا ہے وہ یوں کر رہا ہے تو ہمیں کیا پڑی ہے؟ چھوڑو جی ہمیں تو ضرورت ہی نہیں ہے۔ پھر آپ نے آگے ارشاد فرمایا وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ اور ہر شخص اپنے اہل خانہ پر جو اُس کا گھر ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کا محافظ اور قیم بنا دیا ہے اُس کے بارے میں اُس سے سوال کیا جائے گا۔ وَھُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ وہ گھر اور اُس کے

افراد اُس کی رعیّت ہیں جیسے بادشاہ کی مملکت کے لوگ رعیّت ہوتے ہیں۔ ایسے ہر گھر کے افراد اُس گھر کے بڑے کی رعیّت ہیں اُس کی ذمّہ داری ہے کہ وہ اُن کے بارے میں اچھا اور بڑا سوچے اور صرف یہاں تک نہیں دُنیا اور آخرت دونوں اُمور کے معاملے میں سوچے تمام معاملات میں سوچنا غور کرنا یہ اُس کی ذمّہ داری ہے صرف اپنا فائدہ سوچے یہ بھی نہیں، صرف بچّوں کا سوچے اور اپنے کو نظر انداز کردے۔ یہ بھی نہیں دونوں کا سوچے قرآن پاک میں آتا ہے یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا۔ اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں اس میں دو باتوں کا اے لوگو جو ایمان لائے اپنے آپ کو بھی جہنّم سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی جہنّم سے بچاؤ۔ دونوں کا حکم دے رہے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ صرف ان کو بچاؤ یا صرف اپنے کو بچاؤ۔ بلکہ دونوں کو بچانا تمہاری ذمّہ داری ہے جو بھی ایمان لے آئے چاہے وہ مالدار ہو چاہے غریب ہو چاہے کہیں کا رہنے والا ہو۔ اُس کے تحت ضروری کوئی نہ کوئی انسان ہوتا ہے جس کا وہ بڑا ہوتا ہے جب وہ بڑا ہے تو اُس کے ذمّہ اس کی تربیت ہے۔ اُس کی ذمّہ داری ہے کہ وہ اُن کا جیسے دُنیا کا بھلا سوچے آخرت کا بھلا بھی سوچے اور آخرت کا بھلا زیادہ ضروری ہے، دُنیا کا بھلا اتنا نہیں ہے، کیونکہ دُنیا میں تو انسان کی بُنیادی ضروریات جو ہیں وہ تو عادۃً خودبخود ملتی ہیں اور انسان خود اُن کو حاصل کرلیتا ہے جیسے بطخ پانی میں تیرنا جانتی ہے اُس کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اُس کو تیرانا نہیں سکھاتی وہ خود بخود تیرتا ہے۔ جب پانی میں پہنچے گا اُس کا بچہ تیرنے لگے گا اسے سکھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کہ یُوں تیرنا ہے یُوں ڈبکی مارنی ہے یُوں بچنا ہے، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اُسے سکھا رکھا ہے۔ اسی طرح انسان کا رزق اور اُس کے لیے جو چیز اللہ نے مقرر کردی وہ اُسے پہنچ کر رہتی ہے وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُھَا جو بھی چیز ہے زمین پہ چلنے والی چاہے انسان ہو چاہے انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو اللہ کے ذمّہ ہے اُس کا رزق اللہ نے اپنے ذمّہ لے لیا اُس کا رزق وہ اُسے پہنچتا ہے تو اِس کی فکر نہیں آخرت کی فکر کا فرمایا کہ اُن کو آگ سے بچاؤ جہنّم سے بچاؤ تو جہنّم سے جو چیز بچائے گی اور آگ سے اُنہیں جو چیز بچائے گی وہ کیا چیز ہے؟ وہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ ہم تک پہنچائی جو قرآن اور حدیث کی شکل میں ہمارے اندر موجود ہے کہ

وہ سیکھنا ہے اُس کو سکھلانا ہے۔ اُسی کو علم کہا گیا اور وہی علم ہے آج کل سکول اور کالجوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ علم کے بارے میں لکھا ہے کہ علم طلب کرو، علم حاصل کرو اُس علم سے یہ علم مُراد نہیں ہے جس کے لیے آپ اپنے بچّوں کو سکول اور کالجوں میں داخل کر دیتے ہیں۔ وہ مُراد نہیں ہے علم کے دو معنی ہیں ایک علم کے معنی ہیں لغوی یعنی جاننا جاننا جسے کہتے ہیں اس اعتبار سے تو ہر چیز علم کہلائے گی۔ چاہے وہ قرآن کا علم ہو چاہے حدیث کا علم ہو، چاہے دُنیاوی علم ہو چاہے سائنس ہو چاہے تجارت ہو چاہے کوئی اور ہُنر سیکھ رہا ہو یا کوئی اور زبان سیکھ رہا ہو۔ یہ سب علم میں شامل ہے، لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دے کر بھیجا وہ یہ علم نہیں تھا وہ علم وہ ہے جس پر آپ کی اور ہماری آخرت کی نجات موقوف ہے۔ اِس علم پر آپ کی اور ہماری آخرت کی نجات موقوف نہیں ہے کتنا ہی بڑا دُنیا کا سائنسدان بن جائے۔ سیاست دان بن جائے۔ انجینئر بن جائے، تاجر بن جائے۔ ڈاکٹر بن جائے۔ جج بن جائے، لیکن اگر اللہ اور رسول پر اُس کا ایمان نہیں ہے تو اُس کی نجات نہیں ہو سکتی، وہ بچ نہیں سکتا۔ دُنیا میں چاہے اُس کا کتنا اعزاز ہو، کتنا ہی اکرام کیوں کیوں نہ ہو کتنا ہی پروٹوکول کیوں نہ اُس کو حاصل ہو کتنے ہی آگے پیچھے محافظ کیوں نہ ہوں، لیکن ان میں سے کوئی اس کے کام نہیں آسکتا۔ اگر اللہ اور رسول پر اُس کا ایمان نہیں ہے اور اللہ کے دین پر وہ نہیں چلتا ــــ اللہ اور رسول پر ایمان اور دین کو جاننا اُس کی ضروریات کو اُس کی ضروری چیزوں کو اور بُنیادی عقائد کو جاننا یہ فرض ہے ہر شخص پر اس خاص چیز کی طرف سب لوگ توجہ دیں بہت زیادہ ضروری اور اہم ہے جس سے ہم سب غافل ہیں۔ یہ سمجھ لیا کہ ایک عالم موجود موجود ہے بس وہ کافی ہے یہ نہیں بلکہ ہر شخص پر علم فرضِ عین ہے جیسے نماز فرضِ عین ہے بقدرِ ضرورت علم حاصل کرنا جس سے دین کے موٹے موٹے مسائل معلوم ہو جائیں، نماز کے مسائل معلوم ہوں، زکوٰۃ کے مسائل معلوم ہوں روزہ کے ہوں۔ حج کے ہوں حقوق العباد سے متعلّق مسائل معلوم ہوں حلال اور حرام نکاح اور طلاق یہ مسائل معلوم ہوں پاکی اور ناپاکی کے مسائل معلوم ہونے ضروری ہیں اگر یہ مسائل معلوم نہیں ہیں تو اس کا عمل بے اثر ہے اُسے پتہ ہی نہیں ایک آدمی کو پتہ ہی نہیں کہ پاکی ناپاکی کیا ہوتی ہے وہ نماز پڑھ رہا ہے لیکن نماز نہیں ہو رہی ناپاکی کی حالت میں اکثر نوجوان اس وقت اس میں مُبتلا ہیں اُنھیں مسائل معلوم ہی نہیں ہیں۔ اُنھیں یہ معلوم ہی

نہیں ہے کہ پاکی کیسے کتنے ہیں ناپاکی کیسے، عورتوں کو مسائل کا علم ہی نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل یہ نہیں جانتے، حالانکہ اللہ نے یہ فرض کیے ہیں۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ علم کا حاصل کرنا فرض ہے ہر مسلمان مرد اور عورت پر تفصیلی علم جاننا تمام قسم کے علوم پر ماہر ہونا پُوری طرح فقہ پر اور حدیث پر عبور حاصل کرنا یہ ہر ایک پر اللہ نے فرض نہیں کیا۔ اس کے لیے عُلماء کافی ہیں۔ جب ضرورت پڑے تو آدمی اُن سے مسئلہ پُوچھ لے کہیں اُلجھن پیش آئی ان سے حل کرا لے، لیکن جو موٹے موٹے مسائل ہیں اگر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی بس مولانا نے سیکھ لیے بس ہماری طرف سے کافی ہیں یہ نہیں ہوگا۔ اگر امام صاحب باوضو نماز پڑھ رہے ہیں اور اُن کے پیچھے آپ نے بے وضو نماز پڑھ لی اُن کی نماز ہوگی آپ کی نہیں ہوگی یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے اُس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو بس ہوگئی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ سیکھنا فرض ہے جیسے نماز سیکھنا فرض ہے اور نماز پڑھنا آپ پر فرضِ عین ہے کہ آپ کی طرف سے آپ کا بیٹا نہیں پڑھ سکتا، آپ کی طرف سے آپ کا والد نہیں پڑھ سکتا والدہ نہیں پڑھ سکتی خود ہی پڑھنی پڑے گی تب آپ اس ذمّہ داری سے فارغ ہوں گے۔ اسی طرح علم جو ضروری علم ہے دین کا وہ ہر شخص پر فرض ہے۔ کوئی عُمر کی قید نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں بچّے بھی تھے۔ جوان بھی تھے۔ بُوڑھے بھی تھے۔ اور سب نے علم حاصل کیا۔ ہر عمر میں علم حاصل کیا۔ یہ سوچ کہ میری تو عمر اتنی ہوچکی ہے مجھے تو ضرورت نہیں ہے۔ میں کیسے سیکھوں؟ غلط ہے سیکھنا پڑے گا جیسے نماز بُوڑھے کو پڑھنی ہے جوان کو بھی پڑھنی ہے۔ عورت اور مرد کو بھی پڑھنی ہے۔ اسی طرح علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے تو جو یہ علم حاصل کر رہے ہیں آپ طلباء اور جو والدین اُن کو سکھلا رہے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت بڑی نعمت ہے بڑا اعزاز ہے۔ بڑا اللہ کا انعام ہے اُن بچّوں پر اور اُن کے والدین پر بھی، لیکن یہ جو ضروری علم ہے اس سے فارغ نہیں ہوتے والدین اگر وہ یہ سمجھ لیں کہ بچّہ کو پڑھا دیا ہم فارغ ہوگئے نہیں نہیں بلکہ اُنھیں بھی سیکھنا پڑے گا۔ چاہے اپنے اُس بچّے ہی سے سیکھیں اور باقی اولاد کو بھی سکھانا پڑے گا۔ اُن کو بھی سکھاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اپنے کو بھی جہنّم سے بچاؤ اور اپنے اہل کو بھی جہنّم سے بچاؤ قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا دونوں کو بچاؤ تو یقیناً بہت بڑی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو علمِ دین سکھا دیں۔ عطا فرما دیں

لیکن یہ اُس کے لیے ہے جس نے سیکھ لیا اور اُس پر بشرطیکہ عمل بھی کیا۔ اگر علم سیکھا اور خدانخواستہ اس پر عمل نہیں کیا۔ بدعملی کی تو دوہرا گناہ ہوجائے گا۔ وبال ڈبل وبال ہے اس پر اس لیے جن والدین نے اپنی اولادوں کو قرآنِ پاک سکھلایا حافظ بنایا بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے۔ مُبارکبادی کی چیز ہے اُن کے لیے، لیکن اس کے بعد اس سے بھی بڑی ذمّہ داری اُن پر آجاتی ہے۔ وہ آتی ہے کہ اِس قرآن پاک کو جس کو اس بچّہ نے حفظ کیا اُس کو زندگی بھر محفوظ بھی رکھے یاد رکھے جس کو اُس نے پڑھ لیا اب اُس کا مطلب بھی سمجھے اور عمل بھی کرلے صرف حافظِ قرآن بننے سے اِسے مسائل تو معلوم نہیں ہوں گے اُسے تو ایک آیت کا ترجمہ بھی نہیں آتا۔ یہ بھی آپ کی ذمّہ داری ہے بلکہ یہ زیادہ بڑی ذمّہ داری ہے۔ قرآن پاک کو حفظ کرانا اللہ تعالیٰ نے فرض نہیں کیا واجب نہیں کیا، لیکن علم سیکھنا فرض و واجب ہے۔ لہٰذا ابھی آپ کی ذمّہ داری ختم نہیں ہوئی، حفظ کرانے کے بعد پہلا ذمّہ یہ ہے کہ خیال رکھیں کہ یہ بھولنے نہ پائیں دوسرا یہ کہ یہ دین سیکھیں تاکہ اس پر عمل تو کرسکیں۔ ایسا نہ ہو کہ حافظ بن جائے اور خدانخواستہ بدعمل ہو اور دین کو بھی بدنام کرلے کبھی گڈیاں اُڑا رہا ہے کبھی چھتوں پر چڑھا ہُوا ہے کبھی ہوہا کر رہا ہے۔ ایسی چیز نہ ہونی چاہیے اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ اکثر ایسے ہو رہا ہے کہ حفظ قرآن کرنے کے بعد اُن کو ایسا ماحول ملتا ہے اور والدین اس کا خیال نہیں کرتے کہ اُن کو ایسا ماحول دیں کہ وہ اُن کے قران پاک کی یاد میں مددگار ثابت ہو، قرآن پاک یاد کرنا فرض نہیں ہے لیکن جب اُسے یاد کرلیا تو یہ فرض ہوگیا کہ اُسے محفوظ رکھے، اس لیے علم بھی سیکھنا ضروری اور واجب اور قرآن پاک کو جو حفظ کرلیا یاد رکھنا بھی فرض و واجب تو یہ ذمّہ داری ہے۔ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ اسی طرح مرد کو ذمہ دار قرار دیا۔

## اعلان

اُن حضرات کو ایک سال کے لیے مفت رسالہ جاری کیا جائے گا۔ جو رسالہ کے سات خریدار بنائیں گے۔ (ادارہ)

ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند کے نمائندہ

# مولانا عبد الستار صاحب شجاع آبادی کا سانحہ ارتحال

مولانا حکیم خواجہ محمد لیٰسین صاحب

حضرت مولانا عبد الستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ مادرِ علمی دار العلوم دیو بند کے لیے پاکستان میں نمائندہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۲ مارچ ۱۹۹۸ء بروز اتوار۔ رات سوا آٹھ بجے اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

کل نفسٍ ذائقۃ الموت قانون ابدی اور سنّتِ الٰہیہ ہے تسلیم و انقیاد رضا بالقضاء کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہے۔ حضرت مولانا مرحوم ایک جامع کمالات اور مجمع الصفات شخصیت تھے۔ ۱۵ فروری ۱۹۳۶ء کو پیدا ہونے والا یہ ستارہ آخر دم تک علماء حق سے وفاداری نبھاتا رہا۔

۱۹۵۳ء میں محکمہ تعلیم میں بطور ٹیچر تعینات ہوئے اور ۴۳ سال تک وابستہ رہنے کے بعد فروری ۱۹۹۶ء میں ریٹائر ہوئے۔

مادرِ علمی دار العلوم دیو بند کے اکابرین سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ کم و بیش ۳۲/۳۰ سال تک ماہنامہ "دار العلوم" دیو بند کے نمائندہ کی حیثیت سے بلا معاوضہ پوری امانت و دیانت کے ساتھ خدمات سرانجام دیتے رہے اور کبھی بھی اکابرین کو شکایت نہ ہوئی۔ آئندہ بھی آپ کے مولودِ مسعود سے یہی توقع ہے۔ انشاء اللہ یہ بھی پوری دیانتداری سے نبھائیں گے۔ راقم الحروف ناچیز محمد لیٰسین کا یہی مشورہ ہے کہ مادرِ علمی دار العلوم دیو بند کی اس روحانی محبت کو آخر تک قائم رکھیں۔

روحانی تعلق کے طور پر وقت کے قطب الارشاد شیخ التفسیر والحدیث پیر طریقت مُرشد کامل حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب بہلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز متوفی ۱۳۹۸ھ سے بیعت تھے اور اپنے مُرشد رحمۃ اللہ علیہ کے پیاروں میں سے تھے۔

مرحوم نے پُوری زندگی مجاہدانہ طور پر گزاری وقت کے فرعونوں نے ان پر لاتعداد جھوٹے من گھڑت مقدمات درج کرواتے فرعونی طاقت اور قارونی دولت کا بے دریغ استعمال کر کے گرفتار کرانے کی کوششیں کی گئیں، مگر خدا کی غیبی مدد اور حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی دُعاؤں نے معجزانہ طور پر محفوظ رکھا۔ مظلوم اور غریبوں کی بھر پور امداد کیا کرتے تھے۔ فرعونوں نے اُنھیں جھکانے کی لاتعداد کوششیں کیں، مگر مولانا مرحوم پُوری زندگی نہ جھکے نہ بکے آخری سانس تک ظلم و بربریّت کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔

فلاحی خدمات کے سلسلہ میں بھی اُن کی کاوشیں لاتعداد ہیں۔ فرعونوں نے یہاں پر بھی رکاوٹیں کھڑی کیں۔

۲۲ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۹۸ء سوموار کی شب سوا آٹھ بجے مرضِ شوگر نے اُن کی زندگی کا خاتمہ کرایا ہمیں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

مرحوم نے پسماندگان میں ایک بیوہ دو بیٹے محمود الحسن صاحب اور نور الحسن صاحب کے علاوہ ایک بیٹی چھوڑی ہے۔

آخر میں دست بدعا ہوں اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو منوّر فرمائے اور کروٹ کروٹ راحت و سکون پہنچائے۔

اللّٰھم اغفر لہٗ اللّٰھم نوّر قبرہٗ اللّٰھم ارحمہ واجعلہ فی جنت النعیم

## توجہ فرمائیں

انوارِ مدینہ کے بعض ممبران کے رسائل جو بذریعہ ڈاک ارسال کیے جاتے ہیں۔ پتہ نامکمل یا غلط ہونے کی وجہ سے واپس ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے ممبران جن کو رسالہ نہیں مل رہا دفتر سے رابطہ فرما کر اپنا پتہ دُرست کروالیں تاکہ رسالہ باقاعدگی سے پہنچتا رہے

# جہاد، اقدام اور دفاع

○

مولانا عطاالرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ ڈیرہ اسماعیل خاں

ماہنامہ "انوار مدینہ" لاہور بابت ماہ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ مطابق ماہِ فروری ۱۹۹۸ء میں ایک مضمون عسکری نظام کی اہمیّت کے عنوان سے شائع ہُوا ہے۔ صفحہ نمبر ۳۲ پر یہ ریمارکس "آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد مبارک میں جتنے غزوات اور سرایا لڑے گئے، جتنی جنگیں ہُوئیں۔ ان میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے وہ یہ کہ سب لڑائیاں دفاع میں لڑی گئیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضؓ نے بھی ایسا کیا" محلِّ نظر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السّلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تمام جنگیں دفاعی طور پر لڑی ہیں۔ از خود جنگ کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا۔ یہ نظریہ قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ و صریحہ کے سراسر خلاف اور صاحبِ مضمون کے قلّت تدبّر کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ جہاد کی مختلف قسمیں ہیں۔ جن میں سے ایک دفاع ہے جس کو دفاعی جہاد کہتے ہیں۔ یعنی کافروں کی کوئی قوم ابتداءً تم پر حملہ آور ہو تو تم اس کی مدافعت کے لیے ان کا مقابلہ کرو۔ جہاد کی دوسری قسم اقدامی جہاد ہے یعنی جب کُفر کی قوّت و طاقت سے اسلام کی آزادی کو خطرہ ہو تو ایسی صُورتِ حال میں اسلام مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم دُشمنانِ اسلام پر جارحانہ حملہ کرو۔ تاکہ مسلمان اور اسلام کُفر اور شرک کے فتنہ سے محفوظ ہوجائیں۔ اور کوئی طاقت قانونِ خداوندی کے اجراء و تنفیذ میں مزاحم نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (پ ۱۰ ع ۷) | پھر جب عزّت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور پکڑو اور انھیں گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو۔ (ترجمہ حضرت لاہوریؒ) |
| ۲۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ | اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ شرک |

وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔ کا غلبہ نہ رہنے پائے اور سارا دین اللہ ہی
(پ۹ ع ۱۹) کا ہو جائے۔ (ترجمہ حضرت لاہوریؒ)

۳۔ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا جہاں کہیں پائے جائیں گے، پکڑے
(پ۲۲ ع ۵) جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔

(ترجمہ حضرت لاہوریؒ)

ان آیات سے اسی قسم کا جہاد یعنی اقدامی جہاد مراد ہے۔ یعنی مسلمان کافروں سے اس حد تک جہاد و قتال کریں کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے اور اسلام کو پورا غلبہ حاصل ہو جائے۔ آیت میں فتنہ سے کفر و شرک کی قوت و شوکت کا فتنہ مراد ہے۔ یعنی دین کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے۔ کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے۔ (ملخصًا از سیرۃ المصطفٰی)

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بدر سے مقصد قریش کے اس کاروانِ تجارت پر یلغار کرنا کرنا تھا جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا تھا۔ قریش مکہ کے کسی حملہ کا دفاع مقصود نہیں تھا۔ علامہ شبلی کی سیرۃ النبی میں رائے یہ ہے کہ غزوۂ بدر کا مقصد کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا۔ بلکہ آپ کو مدینہ ہی میں یہ خبر آگئی تھی کہ قریش ایک عظیم جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مدافعت کے قصد سے نکلے اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔ غزوہ بدر سے آپ کا مقصود کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا۔ بلکہ قریش کے حملہ کا دفاع مقصود تھا۔ علامہ شبلیؒ کا یہ خیال تمام محدثین اور مفسرین کی تصریحات بلکہ تمام صحیح اور صریح روایات کے خلاف ہے (مولانا قدس سرہ تفصیلی حوالہ جات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان تمام روایات سے روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو گیا کہ حضور پر نورؐ اور صحابہ کرام رضؓ مدینہ سے کاروانِ تجارت کے ارادہ سے نکلے تھے اور قریش مکہ اور ابوجہل اسی کاروانِ تجارت کے بچانے کے لیے نکلے تھے۔ مؤمن و کافر سب کا مطمح نظر یہی کاروان تجارت تھا۔ اور ہر دو فریق یہی سمجھے ہوئے تھے۔ علامہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ نیز غزوۂ بدر سے پہلے جو غزوات اور سرایا پیش آئے۔ وہ اکثر و بیشتر اقدامی تھے دفاعی نہ تھے۔ ابتدا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوئی"

(سیرۃ المصطفٰی ج ۲ ص ۱۵۸ تا ۱۶۴)

(بقیہ بر صفحہ ۶۲)

# اعتقادی فتنے اور تحریکِ نجات

مولانا محمد حسین صاحب، مدرس مدرسہ شمسیہ جھنگ

آج کتنے نام نہاد محقق ایسے ہیں جو اپنی تحریروں سے علم و تحقیق کے نام پر نت نئے فتنے اُٹھا رہے ہیں پہلے لوگ یہ بات فخر سے کہتے تھے کہ دین کی یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ فلاں کتاب میں موجود ہے یا فلاں استاذ سے سُنی ہے اور آج کل یہ دعوٰی خوشی سے کیا جاتا ہے کہ یہ نکتہ اور یہ مفہوم مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا۔ یہ میری سوچ اور تحقیق ہے۔ عوام کے سامنے ایک نئی بات رکھی جاتی ہے جو اُنھوں نے پہلے نہیں سُنی ہوتی اور اپنے علم و تحقیق کا شور مچا کر اُمّت کے مسلّمہ مسائل و عقائد کی تردید شروع کر دی جاتی ہے۔ اسلامی حکومت تو ہمارے ملک میں ہے ہی نہیں کہ ایسے محققین کو لگام ڈالے اور اُن کی سرکوبی کرے جو پوری اُمّت کے معتقدات کا مذاق اُڑاتے ہیں یہاں تو مذہبی آزادی کے نام پر ہر فتّین اور زندیق کو اجازت ہے جو فتنہ چاہے کھڑا کرے اور جس طرح چاہے سادہ لوح مسلمانوں کے دل میں شکوک و شُبہات اور وساوس پیدا کرے، شگفتہ اسلوبِ بیان اور ادبی تحریروں کے ذریعے باطل نظریات کا کھلے عام پرچار ہوتا ہے۔ عُلماءِ حق اگرچہ ہر وقت ہر فتنے کا تعاقب کر کے اس کی سرکوبی کرتے ہیں اور کر رہے ہیں، لیکن علمی بحثوں سے ہر شخص فائدہ نہیں اُٹھا سکتا ان سے بچنے کا وہی طریقہ صحیح ہے جو حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ رحمت عالم اور شفیق اُمّت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی ایسے فتنوں کی خبر دے دی ہے اور ان سے بچنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ فرمایا "میرے بعد اختلافات بہت ہونگے ان اختلافات سے بچنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی صرف یہی صُورت ہے کہ میری سُنّت اور خلفاء راشدین کی سُنّت پر جمے رہنا اور ایسی مضبوطی سے اسے پکڑنا جیسے کسی چیز کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑتے ہو اور فرمایا کہ نئی چیزوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی چیز گمراہی ہے"۔ (ابو داؤد ترمذی)

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ " آخری زمانے میں بڑے بڑے کذاب اور دجال ہونگے

جو تم کو ایسی باتیں آکر سُنائیں گے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہ سُنی ہوں گی، لہٰذا تم ان سے بچنا اور ان کو اپنے سے بچانا وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں"۔

اور ترمذی شریف میں ہے۔"بلا شبہہ اللہ تعالیٰ نہیں جمع کرتا میری اُمت کو گمراہی پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو کوئی جماعت سے الگ ہُوا تو الگ کر کے دوزخ میں ڈالا جائے گا"۔

اور ابن ماجہ شریف میں ہے"کثیر جماعت کی پیروی کرو"۔ اِن سب روایات کا حاصل اور مفہوم یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایسی تحقیق جس میں پچھلی اُمّت کی تغلیط اور تردید کی جائے وہ خود غلط اور مردود ہے۔ اس کے پیچھے مت لگو ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ساری اُمّت کسی غلط بات پر جمع ہوجائے ایک گروہ اہلِ حق کا ہمیشہ باقی رہے گا جو اسلاف کی اتّباع کرنے والا ہوگا۔

جبکہ ان جدید و قدیم فتنوں کی بُنیاد ہی اس پر ہے کہ پُوری اُمّت نے صحیح دین اَب تک سمجھا ہی نہیں صحیح دین وہ ہے جو اَب ہم نے پیش کیا ہے جب ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ بات جو تم نے کہی ہے۔ اب تک ہم نے پہلے بزرگوں میں سے کسی سے نہیں سُنی تو جواب میں کہا جاتا ہے کہ تم جو اپنے بڑوں اور بزرگوں کی اتّباع اور تقلید کرتے ہو یہ تو کُفّار کا طریقہ ہے جو کہتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس پر دیکھا ہے، حالانکہ وہ کفار کی اندھی تقلید تھی۔ دلائل و براہین کی بُنیاد پر علیٰ وجہ البصیرت اتّباع نہیں تھی اس وجہ سے ان کے باپ دادا کے دین پر جمے رہنے کی مذمّت کی گئی ہے اور ہم جو عُلماء حق اور اسلاف اُمّت کا دامن تھامتے ہیں۔ یہ اُن کے علم و تقویٰ اور دینی بصیرت کی بُنیاد پر ہے اس کو اس کے ساتھ کیا مماثلت ہے۔ ع

ببیں تفاوتِ راہ از کجا تا بکجا

انعام کیے گئے لوگوں کی راہ پر چلنا تو قرآن کریم کی رو سے عینِ صراط مستقیم ہے۔ اندھا اندھے کے پیچھے چلے تو یہ بلا شبہہ قابلِ اعتراض ہے، لیکن نابینا آنکھوں والے کے پیچھے چلے یہ تو اُصول اور عقل کی بات ہے اگر وہ اس کے پیچھے نہیں چلے گا تو آخر کیا کرے گا۔ ایسی باتوں سے اثر نہیں لینا چاہیے۔ یہ وہی وسواس الخناس ہیں جن کی وسوسہ اندازی سے پناہ مانگی گئی ہے۔ ان فتنہ بازوں کو معلوم ہے کہ لوگ سوچیں گے اور کہیں گے کہ یہ بات نئی ہے اور پہلے بزرگوں میں سے کسی نے نہیں کی اس لیے اُنھوں نے سرے سے اسلافِ اُمّت پر اعتماد اور اُن کی پیروی کو گمراہی قرار دیا جیسے کراچی میں ابھی ابھی ایک ڈاکٹر گزرے ہیں۔ اُنھوں نے اُمّت کی مسلّم اور برگزیدہ ہستیوں پر کفر اور

شرک کے فتوے لگائے اور طنز وطعن کے تیر برسائے اور ان کے بتائے ہُوئے طریقے کو الگ دین بتایا ہے اور پُوری دُنیا میں توحید کا واحد علمبردار اپنے آپ کو باور کرانے کی کوشش کی ہے اکثر و بیشتر فتنے ان میں وہی پُرانے ہیں۔ معتزلہ وغیرہ جو نئے لباس میں سامنے آرہے ہیں جن کی بیخ کنی متکلمینِ اسلام نے کر دی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔

پچھلے دنوں ایک رسالہ نظر سے گزرا جس میں حضرت امام مہدی کے ظہور سے متعلّق بحث کی گئی ہے کہ مہدی کے ظہور کا عقیدہ سب فراڈ اور دھوکہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں، حالانکہ اُمت کے اندر یہ عقیدہ شروع سے چلا آرہا ہے۔ صحیح احادیث میں اس کی خبر دی گئی ہے۔ تمام اسلامی فرقے اس کے قائل ہیں۔ تفصیلات میں اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن سرے سے ایک مسئلے کا انکار شر و فساد کے سوا کچھ نہیں، میں کہتا ہوں کہ اس نام سے مختلف اَدوار میں جھوٹے دعویداروں کا دعوٰی کرتے آنا بھی ایک دلیل ہے اس بات کی کہ اس کی کوئی اصل ہے۔ نیز اگر کوئی بہروپیا کسی سرکاری افسر کا رُوپ دھار لے اور کچھ لوگ اس کے دھوکے میں آبھی جائیں تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ اس سرکاری افسر کے عہدے کا تصوّر ہی غلط اور فرضی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر مذہبی لیڈر اور اس کی تحقیق اور تعلیم کو اس اُصول پر پرکھ لیا جائے کہ اس میں سلفِ صالحین پہ اعتماد اور اُن کے تعبیر کردہ دین کی طرف دعوت ہے یا ان پہ عدم اعتماد اور ان کی تعلیمات سے روگردانی کا سبق ملتا ہے؟ پہلی صورت حق وصواب ہے اور دوسری صورت الحاد و زندقہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمام جدید و قدیم فتنوں سے محفوظ فرما کر صحابہ کرام سلف صالحین اور عُلماء حق کی سچی محبّت اور اتّباع نصیب فرمائے اور مرتے دم تک اس پر قائم رکھے آمین ثم آمین

# جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات

## ایک مختصر جائزہ

(قسط:۲)

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

### جاوید صاحب کی پہلی غلطی اور اس کا جواب

آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف کے ذیل میں جاوید صاحب لکھتے ہیں۔

”اسلوب بیان کا یہ پہلو ملحوظ رہے تو یہ سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی کہ اگر کوئی مال کسی نوع کے لیے مخصوص کیا جائے اور اس کی مختلف اصناف میں اس کی تقسیم کا طریقہ بھی بتا دیا جائے تو کسی ایک صنف کی غیر موجودگی میں سارا مال خود بخود باقی اصناف کا حق قرار پائے گا۔ اس اُصول کو ہم ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ دس روپے کی رقم فقیروں کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ فقیر مرد کا حصہ دو فقیر عورتوں کے برابر ہوگا تو اس میں یہ واضح ہے کہ فی الاصل رقم فقیروں کے لیے ہے۔ لہٰذا ان کی جماعت میں اگر فقیر مرد ہی ہوں گے تو ساری رقم ان میں تقسیم کر دی جائے گی، اور فقیر عورتیں ہی ہوں گی تو پھر بھی یہی کیا جائے گا۔ للذکر مثل حظ الانثیین اسی نوعیت کا جملہ ہے۔ اس سے اولاد میں تقسیم وراثت کے حکم کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے۔ مرنے والے کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو لڑکے کو لڑکی سے دونا ملے گا۔ اس سے زیادہ لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو اس کا ترکہ اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ ہر لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر رہے۔ اولاد میں صرف لڑکے یا لڑکیاں ہی ہوں تو سارا ترکہ دونوں

ہیں سے جو موجود ہوگا اسے دیا جائے گا۔" (میزان حصہ اوّل ص ۴۵)

جاوید صاحب کا یہ کلام بلا دلیل ہے اور بوجوہ ذیل غلط بھی۔

۱۔ آیت میں کسی مال کے اولاد کے لیے مخصوص ہونے کا ذکر نہیں۔ بلکہ اتنی بات ہے کہ پہلے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیّت و ہدایت کرتا ہے اور اس سے اگلے جملے للذکر مثل حظ الانثیین میں غامدی صاحب کے مطابق اسلوب حذف پایا جاتا ہے۔

جس کو جاوید صاحب نے اپنے مضمون میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

"اصول نحو کی رو سے اس جملے (یعنی للذکر مثل حظ الانثیین) میں راجع الی الاولاد محذوف ہے۔ اس کو کھول دیا جائے تو تالیف کلام یہ ہوگی یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر منھم مثل حظ الانثیین۔ غور کیجیے تو یہاں حذف کا وہی اسلوب ہے جو ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور میں ہے۔" (ص ۴۵ میزان)

اس اسلوب کے مطابق بھی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو (ذوی الفروض کے حصّے نکالنے کے بعد) تقسیم ہونے والا باقی مال ان میں اس تناسب سے تقسیم ہو کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملے۔

۲۔ جب ایک صنف کو دوسرے پر دوگنے کی ترجیح دی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والا دونوں صنفوں کو ایک ہی حصّہ نہیں دینا چاہتا۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دو اصناف منفرد ہوں تو کیا حکم ہوگا؟ آخر ترجیح دینے کی کوئی وجہ تو ہوگی جو ممکن ہے حالت انفراد میں بھی موجود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فوراً بعد لڑکیوں کا جبکہ وہ تنہا ہوں وجہ بیان کیا۔

۳۔ جاوید صاحب نے یہاں یہ تو کہہ دیا کہ اولاد میں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہوں تو سارا ترکہ دونوں میں سے جو موجود ہوگا اسے دیا جائے گا۔" لیکن قرآن پاک میں آگے تنہا لڑکیوں کے حصّے کا بیان ہے اس کو انھوں نے مجبور ہو کر ترمیم (بالفاظ دیگر تنسیخ) پر محمول کیا۔ لکھتے ہیں "اولاد میں تقسیم وراثت کا حکم اگر ان الفاظ پر ختم ہو جاتا تو پھر بھی حصّوں میں کوئی ابہام نہیں تھا، لیکن اگلے ہی جملے میں قرآن مجید نے للذکر مثل حظ الانثیین کے مختلف تضمنات میں سے ایک میں ترمیم کر دی ہے۔ ص ۴۵ ایضا

شاید ترمیم کا لفظ زیادہ ہلکا تھا جو جاوید صاحب نے تنسیخ کی جگہ پر اس کو

استعمال کیا، لیکن ترمیم یا تنسیخ کا قول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ کا علم ہو جس سے مقدم و مؤخر کا پتہ چلے۔ جاوید صاحب نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا

حالانکہ علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں۔ یوصیکم اللہ فی اولاد کم ھی آیۃ محکمۃ غیر منسوخۃ (یہ آیت محکم غیر منسوخ ہے)

پھر جاوید صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ایک اور تضاد کا مظاہرہ کیا۔ لکھتے ہیں "اس کے بعد اگرچہ اکیلی لڑکیوں کا حصّہ متعیّن طریقے پر بیان کیا گیا ہے لیکن فان کن نساء فوق اثنتین کے آغاز میں حرف 'ف' دلیل ہے کہ یہ بہر حال پہلے جملے ہی کے ایک پہلو کی وضاحت ہے اس لیے اس کا حکم جملہ ماقبل سے مختلف نہیں ہوسکتا۔ ص۴۷

دیکھیے جاوید صاحب نے جس کو پہلے ترمیم کہا اس کو اب وضاحت کہہ رہے ہیں۔ واقعی ایسے فہم اَدب سے تو پچھلے فقہاء اور اصحاب تاویلِ عاجز ہی تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

## جاوید صاحب کی دوسری غلطی اور اسکا جواب

جاوید صاحب لکھتے ہیں۔

"قرآن کی زبان میں اگر ہم ایک لڑکی اور دو یا دو سے زائد لڑکیوں کا حصّہ بیان کرنا چاہیں تو اس کے دو طریقے ہیں۔ ترتیب نزولی کے مطابق بیان کرنا پیشِ نظر ہو تو پہلے ایک اور اس کے بعد دو لڑکیوں کا حصّہ بیان کیا جائے گا۔ دو سے زائد کا حصّہ لفظوں میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں جب ایک کے فوراً بعد دو کا حصّہ اس طرح بیان کیا جائے کہ دونوں حصّوں میں مقدار کے اعتبار سے فرق ہو اور اس کے بعد متکلم خاموش ہو جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دو سے زائد کا حکم بھی وہی ہے جو دو لڑکیوں کا ہے۔ اسی بات کو ہم ترتیب صعودی کے مطابق بیان کریں گے تو اس کے لیے فوق اثنتین او اثنتین کے الفاظ کا استعمال چونکہ عربیت کے خلاف ہوگا، اس لیے دو سے زائد لڑکیوں کا حصّہ بیان کرنے کے بعد ایک کا حصّہ بیان کر دیا جائے گا۔ اس اسلوب میں فوق اثنتین سے کلام کا آغاز خود اس بات پر دلیل ہوگا کہ اس سے پہلے اثنتین کا لفظ محذوف ہے۔ غور کیجیے تو اس حذف کا قرینہ بالکل واضح ہے۔ اس ترتیب کا حسن مقتضی ہے کہ فوق اثنتین سے پہلے اثنتین کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ اور صحتّ زبان کا تقاضا ہے کہ

فوق اثنتین سے بات شروع کی جائے تو بعد میں اثنتین مذکور نہ ہو۔ قرآن مجید نے یہ حصے یہاں ترتیب صعودی کے مطابق بیان کیے ہیں۔ اس لیے حذف کا یہ اسلوب ملحوظ ہے۔ سورہ نساء کی آخری آیت میں یہی حصے ترتیب نزولی کے مطابق بیان ہوئے ہیں، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ وہاں اثنتین کے بعد فوق اثنتین کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے۔" ص ۴۶-۴۷

جاوید صاحب کی اس عبارت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ خیر سے ان کو ترتیب نزولی اور ترتیب صعودی کا مطلب معلوم نہیں۔ نزولی نزول سے ہے جو کہ اُوپر سے نیچے کو یا زیادہ سے کم کی طرف آنے کو کہتے ہیں اور صعودی صعود یعنی چڑھنے کو کہتے ہیں جو نیچے سے اُوپر یا کم سے زیادہ کی طرف ہوتا ہے۔ جاوید صاحب نے پُوری بحث اس کے برعکس کی ہے۔

پھر ترتیب خواہ نزولی ہو یا صعودی ہو جاوید صاحب کا یہ کہنا کہ "جب ایک کے فوراً بعد دو کا حصہ اس طرح بیان کیا جائے کہ دونوں حصوں میں مقدار کے اعتبار سے فرق ہو اور اسکے بعد متکلم خاموش ہو جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دو سے زائد کا حکم بھی وہی ہے جو دو لڑکیوں کا ہے۔" اس میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ یا تو یہ اُصول مسلم ہو اور اہل قواعد اس سے باخبر ہوں اور اس کو تسلیم کرتے ہوں اس صورت میں جاوید صاحب کو باحوالہ بات کرنی چاہیے تھی۔

۲۔ یا یہ اُصول جاوید صاحب نے قرآن میں غور و فکر کرکے نکالا ہے جو اہلِ عربیت کے قواعد کے خلاف ایک علیحدہ اُصول و قاعدہ ہے جس کے ساتھ قرآن منفرد ہے۔ اس صورت میں یہ جاوید صاحب کا دعوٰی ہے جو کہ عقلی یا قرآنی دلائل کا محتاج ہے اور جب جاوید صاحب خود فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے وہ لبید و اعشٰی اور زہیر و امرأ القیس کی زبان ہے ص۴۶ اور جب وہ کلام عرب میں نظائر کی اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں ص۱۶ تو جاوید صاحب پر یہ بھی لازم تھا کہ کلام عرب سے ایسے نظائر و شواہد پیش کرتے کہ جو اُن کے دعوٰی کی تائید و تصدیق کرتے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ جاوید صاحب مذکورہ اسلوب کے بارے میں محض اپنا طبع زاد دعوٰی ہے جو کہ عقل کے مسلمہ قواعد کے خلاف ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ایک لڑکی ہو تو اس کا نصف حصہ ہے اور دو لڑکیاں ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ہے اور پھر آپ خاموش ہو جائیں تو سامع فوراً

چونکے گا اور آپ کی طرف سوال دراز کرے گا کہ جب ایک لڑکی کا اتنا حصّہ ہے اور دو لڑکیوں کا اس سے زیادہ ہے تو تین یا زائد لڑکیوں کا کتنا ہوگا۔ بلکہ اس کا گمان غالب یہ ہوگا کہ تین یا زائد لڑکیاں ہوں تو اُن کا مجموعی حصّہ دو تہائی سے زیادہ ہوگا

اسی طرح جب دو سے زیادہ لڑکیوں کے لیے دو تہائی حصّے کا ذکر ہوا اور ایک لڑکی کے لیے نصف کا ذکر ہو تو یہ بات بدیہی ہے کہ سامع متکلم کی طرف مستفسرانہ نظروں سے دیکھے گا کہ اگر لڑکیاں فقط دو ہوں تو اُن کا حصّہ کتنا ہوگا۔ اور اپنے ذہن میں تو وہ یہی خیال کرے گا کہ مذکورہ حساب سے دو کا حصّہ نصف اور دو تہائی کے درمیان ہوگا۔

عقل کے مسلمہ قواعد کو بالائے طاق رکھ کر قرآن کی طرف ایسی بات منسوب کرنا تو قرآن کے ساتھ نادان کی دوستی ہے۔

پھر دیکھیے کہ حذف کے اس قرینے کی طرف جس کا ذکر غامدی صاحب کرتے ہیں کسی مفسّر اور امام لغت کی توجہ نہیں گئی۔ امام لغت زمخشری خود کشاف میں یہ سوال کرتے ہیں۔ ولم یذکر حکم البنتین فی حال الانفراد فما حکمھا و ما باله لم یذکر ؟ (دو لڑکیاں جبکہ منفرد ہوں اُن کا حکم ذکر نہیں کیا گیا تو ان دو کا کیا حکم ہے اور کیا وجہ ہے کہ یہ حکم ذکر نہیں کیا گیا؟

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں۔ وقوله عز وجل فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترك وان کانت واحدة فلھا النصف فنص علی نصیب ما فوق الابنتین وعلی الواحدة ولم ینص علی فرض البنتین لان فی فحوی الآیة دلالة علی بیان فرضھما (ج ۲ ص ۸۰) (یہ ارشاد الٰہی دو سے زائد بیٹیوں کے اور ایک بیٹی کے حصّے پر نص ہے اور دو بیٹیوں کے حصّے کی تصریح نہیں کی گئی کیونکہ فحوی آیت میں ان کے حصّے پر دلالت موجود ہے۔)

علّامہ ابوبکر رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ القسم الثانی ما اذا مات وخلف الاناث فقط بین تعالی انھن ان کن فوق اثنتین فلھن الثلثان وان کانت واحدة فلھا النصف الا انه تعالی لم یبین حکم البنتین بالقول الصریح واختلفوا فیه (قسم ثانی اس بارے میں ہے کہ کوئی شخص مرجائے اور فقط لڑکیاں چھوڑ جائے تو اللہ تعالیٰ نے

بیان کیا کہ اگر وہ دو سے زائد ہوں تو اُن کے لیے دو تہائی ہے اور اگر وہ ایک ہو تو اس کے لیے نصف ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے قول صریح کے ساتھ دو بیٹیوں کا حکم بیان نہیں کیا۔ اور دو لڑکیوں کے حصے میں اختلاف ہے۔)

یہی بات رُوح المعانی میں کہی گئی ہے۔

دو لڑکیوں کے حصے میں اختلاف واقع ہُوا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

فعن ابن عبّاس انه قال الثلثان فرض الثلاث من البنات فصاعدا وأما فرض البنتين فهو النصف واحتج عليه بانه تعالىٰ قال فان كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك۔

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اُنھوں نے فرمایا دو تہائی تین اور تین سے زائد بیٹیوں کا حصہ ہے۔ رہا دو بیٹیوں کا حصہ تو وہ نصف ہے اور اُنھوں نے اس سے دلیل پکڑی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فان كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك (اور اگر عورتیں دو سے زائد ہوں تو اُن کے لیے ترکہ کا دو تہائی ہے۔)

وكلمة ان في اللغة الاشتراط وذلك يدل على ان اخذ الثلثين مشروط بكونهن ثلاثا فصاعدا وذلك ينفي حصول الثلثين للبنتين ؎

اور کلمہ اِنْ لغت میں شرط کے لیے ہوتا ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ دو تہائی کا حصول اس شرط کے ساتھ ہے کہ لڑکیاں تین یا زائد ہوں۔ اور یہ بات دو لڑکیوں کے لیے دو تہائی کے حصول کی نفی کرتی ہے۔

---

؎ جمہور صحابہ و مجتہدین چونکہ حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ کے قول سے متفق نہیں ہیں لہٰذا اُن کی طرف سے یہ چند جواب ہیں۔

الاوّل ان هذا الكلام لازم على ابن عبّاس　　اوّل۔ یہ بات خود حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ

←

دیکھیے یہ حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما ہیں۔ علمائے صحابہ میں سے ہیں۔ حبر الامہ ہیں۔

---

لانه تعالى قال وان كانت واحدة فلها النصف فجعل حصول النصف مشروطا بكونها واحدة و ذلك ينفي حصول النصف نصيبا للبنتين و هو قد جعل النصف نصيبا للبنتين فثبت ان هذا الكلام ان صح فهو يبطل قوله

کے خلاف جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وان كانت واحدة فلها النصف اس آیت میں نصف کا حصول اس شرط کے ساتھ ہے کہ لڑکی صرف ایک ہو اور یہ اس بات کے منافی ہے کہ دو بیٹیوں کو نصف بطور حصّہ حاصل ہو جبکہ ابن عبّاس رضی اللہ عنہ نصف کو دو بیٹیوں کا حصّہ بناتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ اگر ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا دلیل صحیح ہو تو یہ خود اُن کے کلام اور دعوٰی کو باطل کرتی ہے۔

الثاني انا لا نسلم ان كلمة إنْ تدل على انتفاء الحكم عند انتفاء الوصف و يدل عليه انه لو كان الامر كذلك لزم التناقض بين هاتين الآيتين لان الاجماع دل على ان نصيب الثنتين اما النصف و اما الثلثان و بتقدير ان يكون كلمة ان للاشتراط

ثانی۔ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ کلمہ اِن انتفائے وصف کے وقت انتفائے حکم پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کو مان لینے کی صورت میں ان دونوں آیتوں کے درمیان تناقض لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ دو بیٹیوں کا حصّہ یا تو نصف ہے یا دو تہائی ہے اور کلمہ اِن کو شرط کے معنی میں لینے سے یہ دونوں قول ثابت نہیں رہتے کیونکہ پہلی شرط کی وجہ سے دو تہائی حصّہ منتفی ہُوا اور دوسری شرط کی وجہ سے نصف حصّہ بھی منتفی ہُوا۔

علم تاویل ان کو حاصل ہے۔ عربیت اور بلاغت کے اسالیب سے خوب باخبر، لیکن انھوں نے

| | |
|---|---|
| وجب القول بفسادهما فثبت ان القول بكلمة الاشتراط يفضى الباطل فكان باطلا ولانه تعالى قال فان لم تجدوا كاتبا فرهان مقبوضة وقال لا جناح عليكم ان تقصروا من الصلاة ان خفتم ولا يمكن ان يفيد معنى الاشتراط فى هذه الآيات | پس ثابت ہوا کہ کلمہ ان کو شرط کے معنی میں لینا بطلان کا باعث ہے۔ لہٰذا یہ قول خود باطل ہوگا۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات فان لم تجدوا کاتبا فرهان مقبوضة اور لا جناح علیکم ان تقصروا من الصلاۃ ان خفتم میں کلمہ ان کو شرط کے معنی میں لینا کسی طرح ممکن نہیں۔ |
| الوجه الثالث فى الجواب هو ان فى الآية تقديما و تاخيرا والتقدير فان كن نساء اثنتين فما فوقهما فلهن الثلثان | "تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے فان کن نساء اثنتین فما فوقھما فلھما الثلثان (اگر عورتیں دو یا زیادہ ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصہ ہے) |

اس تیسرے جواب کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں اس طرح سے ذکر کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وقيل ان معنى الآية فان كن نساء اثنتين فما فوقهما الا انه قدم ذكر الفوق على الاثنتين كما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال لا تسافر المرأة سفرا فوق ثلاثة ايام الا ومعها زوجها او ذو محرم لها فان معناه | یہ بھی کہا گیا کہ آیت کا معنی ہے فان کن نساء اثنتین فما فوقھما مگر یہ کہ فوق کے ذکر کو اثنتین پر مقدم کیا گیا ہے جیسا کہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین دن سے زائد سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا محرم ہو کیونکہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ عورت تین |

اس اسلوب کو نہیں پہچانا جس کو جاوید صاحب چودہ صدیوں کے بعد دریافت کر کے لاتے ہیں، اور اُنھوں نے دو لڑکیوں کے لیے دو تہائی تو کیا نصف ہی کا قول کیا۔ پھر ان پر اعتراض کرنیوالوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ کی بات تو عربیت کے اسلوب کے خلاف ہے اور ہماری بات اس اسلوب کی وجہ سے بالکل واضح اور صاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ کے قول کا جو تیسرا جواب ذکر کیا گیا ہے اس سے خوش فہمی نہ ہو کہ یہ تو تقریباً وہی بات ہے جو جاوید غامدی صاحب نے میزان میں ذکر کی ہے، کیونکہ یہاں ان سے اختلاف مسئلہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ اس کی دلیل میں ہے۔ غامدی صاحب نے ثنتین کے حذف کی دلیل فقط اسلوب بیان کو بنایا ہے جبکہ دیگر حضرات اس کے فرض کرنے کو اور دلائل موجود مانتے ہیں جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| واما سائر الامۃ (یعنی جمھور الصحابۃ والائمۃ) فقد اجمعوا علی ان فرض البنتین الثلثان۔ قالوا وانما عرفنا ذلک بوجوہ | دیگر اُمّت (یعنی جمہور صحابہ و ائمہ) کا اس پر اتّفاق ہے کہ دو بیٹیوں کا حصّہ دو تہائی ہے اُنھوں نے کہا کہ اس بات کو ہم نے چند وجوہ سے جانا۔ |
| الاوّل قال ابومسلم الاصفھانی عرفناہ من قولہ تعالٰی للذکر مثل حظ الانثیین وذلک لان من مات وخلف ابنا وبنتا فھھنا یجب ان یکون نصیب الابن الثلثین لقولہ تعالٰی للذکر مثل حظ الانثیین۔ فاذا کان | اوّل۔ ابومسلم اصفہانی نے کہا ہم نے اس کو اللہ تعالٰی کے قول للذکر مثل حظ الانثیین سے پہچانا اور یہ اس طرح کہ جو مر گیا اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی تو یہاں واجب ہے کہ بیٹے کا حصّہ دو تہائی ہو بوجہ اس فرمانِ الٰہی کے للذکر مثل حظ الانثیین۔ تو جب |

---

| | |
|---|---|
| لا تسافر سفرا ثلاثۃ ایام فما فوقھا والی ذلک ذھب من قال ان اقل الجمع اثنان۔ | دن سے زائد سفر نہ کرے مگر یہ کہ اسکے ساتھ اسکا شوہر یا اسکا محرم ہو کیونکہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ عورت تین دن اور اس سے زائد سفر نہ کرے اور اس بات کی طرف وہ لوگ گئے ہیں جن کا قول ہے کہ اقلِ جمع دو ہوتے ہیں۔ |

(بقیہ بر صفحہ ۶۳)

# حاصل مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

## تین باتیں

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حقیقی چچازاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"اخلاقیات میں سے تین باتیں ایسی ہیں جو دَورِ جاہلیّت میں بھی اچھی سمجھی جاتی تھیں، مسلمان تو ان باتوں کے اور بھی زیادہ لائق و سزاوار ہیں۔

پہلی بات یہ کہ: اگر اُن کے یہاں کوئی مہمان آتا تو خوب لگن سے اُس کی مہمان نوازی کرتے۔

دوسری بات یہ کہ: اگر کسی کی بیوی بُوڑھی ہو جاتی تو اُسے طلاق نہ دیتے بلکہ اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ بیچاری برباد ہی نہ ہو جائے اُسے اپنے پاس ہی رکھتے۔

تیسری بات یہ کہ: اگر اُن کے ہمسایہ کو قرض یا تنگدستی یا کوئی اور آفت پہنچتی تو وہ لوگ اُس کے قرض کی ادائیگی اور اُسے سختی سے نکالنے کے لیے پُوری پُوری جدوجہد سے کام لیتے[1]

## بیوفائی کی دس باتیں

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۱ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدّث، فقیہ، صاحب

---

[1] تنبیہ الغافلین عربی ص۵۱

کشف وکرامت اور نہایت جری و بہادر بزرگ تھے، آپ کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ (م ۳۷۳ھ) آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

"عَشْرَۃٌ اَشْیَاءَ مِنَ الْجَفَاءِ" دس باتیں بے وفائی کی ہیں۔

(۱) کوئی مرد یا عورت اپنے لیے تو دُعا کرے، لیکن اپنے والدین اور عام مؤمنین کے لیے دُعا نہ کرے۔

(۲) کوئی شخص قرآن تو پڑھے، لیکن ہر روز سو آیتیں نہ پڑھے۔

(۳) کوئی شخص مسجد میں جائے اور دو رکعتیں پڑھے بغیر وہاں سے واپس چلا آئے۔

(۴) کوئی شخص قبرستان سے گزرے لیکن قبر والوں کو نہ سلام کرے نہ ان کے لیے دُعا کرے۔

(۵) کوئی شخص جمعہ کے دن شہر میں جائے اور وہاں سے جمعہ پڑھے بغیر واپس چلا آئے۔

(۶) کسی محلہ میں کوئی عالمِ دین آئے اور اس کے پاس کوئی بھی دین سیکھنے نہ جائے۔

(۷) دو شخص ایک دوسرے کے رفیق بنیں لیکن ایک دوسرے کا نام بھی نہ پُوچھیں۔

(۸) کوئی شخص کسی کی دعوت کرے اور وہ اُس کی دعوت میں نہ جائے۔

(۹) کوئی شخص فراغت کے باوجود اپنی جوانی ضائع کردے اور علم و ادب نہ سیکھے

(۱۰) ایک شخص خود تو شکم سیر رہے لیکن اپنے بھُوکے ہمسائے کو کچھ بھی نہ کھلائے پلائے۔[1]

## ایک نابینا بزرگ کی کرامت

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) ایک بزرگ حضرت ابومعاویہ الاسود یمان طرطوسی رحمہ اللہ (م ) کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] تنبیہ الغافلین عربی ص۵۱

"حضرت ابو معاویہ الاسودؒ کے خادم ابو حمزہ نصیر بن فرج الاسلمیؒ فرماتے ہیں۔ حضرت ابو معاویہؒ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ جب اُن کا قرآن پاک پڑھنے کا ارادہ ہوتا تو وہ ٹٹول کر قرآن پاک کھولتے (قرآن پاک کھلتے ہی) اللہ تعالیٰ ان کی بینائی لوٹا دیتے۔ پھر جب وہ (قرات سے فارغ ہو کر) قرآن مجید بند کرتے تو اُن کی بینائی چلی جاتی۔

ابو زاہریہؒ کہتے ہیں کہ میں طرطوس آیا تو حضرت ابو معاویہؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی بینائی جا چکی ہے اور آپ کی بیٹھک میں ایک قرآن مجید لٹکا ہوا ہے، میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے یہ قرآن مجید کیوں لٹکا رکھا ہے جبکہ آپ کو کچھ نظر تو آتا نہیں؟ فرمایا۔ بھائی اگر تم میرے مرتے دم تک اس بات کو چھپائے رکھو تو بتلائے دیتا ہوں میں نے عرض کیا کہ ضرور چھپائے رکھوں گا، فرمایا: "جب قرآن شریف لے کر بیٹھتا ہوں تو آنکھوں کی بینائی کھل جاتی ہے[1] (پھر جب تک پڑھتا رہتا ہوں روشنی بحال رہتی ہے اور جب قرآن مجید بند کر دیتا ہوں تو حسبِ سابق نابینا ہو جاتا ہوں۔)

## مُسلمانی اور جواں مردی

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۵ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"منقول ہے کہ جب آپ کا مرتبہ (بارگاہِ خداوندی میں) بڑھ گیا تو (آپ ایسے ہو گئے کہ) کوئی شخص آپ کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا تھا، مصری لوگ آپ کو زندیق کہنے لگے اور سب نے متفق ہو کر خلیفۂ وقت متوکل

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۲۴۶

(عبّاسی) کو آپ کے حالات سے آگاہ کیا، متوکل نے گارد بھیجی تاکہ آپ کو پا بہ زنجیر بغداد لے کر آئیں، جب آپ خلیفہ کے دربار میں پہنچے تو فرمایا "آج مَیں نے مُسلمانی ایک بُوڑھی عورت سے اور جواں مردی ایک سقہ سے سیکھی ہے" لوگوں نے پُوچھا وہ کیسے ؟ فرمایا : جب میں خلیفہ کے دربار میں پہنچا اور اِس دربار کو رعب و دبدبہ والا پایا اور دربان و خدام دیکھے تو مجھے اپنے اندر کچھ تغیّر ہوتا ہُوا محسوس ہُوا۔ اچانک ایک عورت لاٹھی لیے سامنے آئی اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگی : خبردار ! جس کے پاس تمہیں لے جا رہے ہیں اُس سے ہرگز مت ڈرنا ، کیونکہ وہ اور تم دونوں ایک خدا کے بندے ہو جب تک خدا نہ چاہے کوئی کسی بندہ کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح راستے میں مَیں نے ایک پاکیزہ سقے کو دیکھا اُس نے مجھے پانی پینے کے لیے دیا۔ میں نے اپنے ساتھ والوں میں سے ایک کو اشارہ کیا کہ سقے کو ایک دینار دے دو۔ سقے نے دینار قبول نہیں کیا، کہنے لگا کہ تم زنجیروں میں جکڑے ہُوئے قیدی ہو، تم جیسے قیدی اور غریب الوطن سے کوئی چیز لینا جوانمردی نہیں ہے۔

فرمان شاہی ہُوا کہ آپ کو جیل میں ڈال دیں، چالیس دن آپ جیل میں رہے۔ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کی ہمشیرہ آپ کو (اپنی حلال کمائی میں سے) روزانہ ایک روٹی پہنچاتی۔ پس جس دن آپ جیل سے رہا ہو کر باہر تشریف لائے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ چالیس کی چالیس روٹیاں جوں کی توں رکھی ہُوئی ہیں۔ آپ نے ایک بھی نہیں کھائی۔ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کی ہمشیرہ نے جب یہ سُنا تو اُنھیں بہت افسوس ہُوا ، فرمانے لگیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ تمام روٹیاں حلال وطیب اور بغیر کسی احسان کے تھیں پھر آپ نے کیوں نہیں کھائیں ؟ فرمایا کہ : جس طباق میں روٹی آتی تھی وہ پاک نہ تھا، کیونکہ وہ جیلر کے ہاتھ سے گزر کر آتا تھا۔

قید خانے سے باہر آنے کے بعد آپ کمزوری کی وجہ سے گر پڑے اور پیشانی زخمی ہوگئی، منقول ہے کہ زخم سے بہت سارا خون بہا لیکن آپ کے چہرے اور کپڑوں پر ایک قطرہ بھی نہیں گرا، اور جو زمین پر گرا وہ بھی خدا کے حکم سے فوراً غائب ہوگیا۔ آپ کو دربان خلیفہ کے سامنے لے گئے۔ اور آپ سے آپ کی باتوں کا جواب طلب کیا، آپ نے اپنی باتوں کی ایسی تشریح کی کہ متوکل رونے لگا اور تمام اراکین دولت آپ کی فصاحت و بلاغت پر حیران رہ گئے۔ خلیفہ متوکل آپ کا مرید ہوگیا اور آپ کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس مصر بھیج دیا۔[1]

## حضرت شقیق بلخی رح کی توجہ

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴ھ) اپنے زمانے کے اولیاء کبار میں سے ہوئے ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم ادہم رح کے معاصر حضرت حاتم اصم بلخی رح کے اُستاذ حضرت امام زفر رح کے شاگرد تھے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ نے آپ کی توبہ کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ

"ایک مرتبہ بلخ میں شدید قحط نمودار ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ ایک دوسرے کو مار کر کھانے لگے۔ اس حالت میں آپ نے ایک غلام کو بازار میں خوش و خرم ہنستے مسکراتے دیکھا، آپ نے اس سے کہا: اے غلام یہ کونسا خوشی کا موقع ہے کیا تو خلقت کو بھوک سے مرتے نہیں دیکھ رہا؟ غلام نے کہا: مجھے کیا فکر میں ایک ایسے شخص کا غلام ہوں جس کی ملکیت میں ایک گاؤں ہے اور ڈھیروں غلہ اُس کے پاس ہے، وہ مجھے بھوکا نہیں رکھے گا۔ یہ سُن کر آپ کے دل پر چوٹ لگی۔ عرض کیا کہ: "الٰہی یہ ایک امیر شخص کا غلام اس قدر خوش ہے (اور اُسے کوئی فکر نہیں) تو تو مالک الملوک اور روزی رساں ہے تیرے ہوتے ہوئے

---

[1] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۱ ص ۱۱۱

ہم کیوں فکر کریں۔" اسی وقت آپ نے دُنیاوی کاموں کو خیر باد کہا اور سچی توبہ کر کے راہِ حق کی جستجو میں لگ گئے اور توکل میں حدِ کمال کو پہنچے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "میں ایک غلام کا شاگرد ہوں"۔[1]

## میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۷ھ) کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "اخلاص میں نے ایک حجّام سے سیکھا ہے۔" قصہ یہ ہُوا کہ میں ایک مرتبہ مکّہ مکرّمہ میں تھا، میں نے ایک حجام کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے بال دُرست کر رہا ہے، میں نے اس سے کہا کہ اللہ ـــــ واسطے میرے بال بھی دُرست کر دو، اُس نے کہا کہ کر دیتا ہوں، چنانچہ اس نے روتے ہُوئے اُس شخص کو جس کے بال بنا رہا تھا چھوڑ کر کہا کہ تم اُٹھ جاؤ جب اللہ کا نام آگیا تو پھر سب کو چھوڑ کر اُسی کا کام کرنا چاہیے، پھر اس نے مجھے بٹھا کر پہلے میرے سر کو بوسہ دیا، پھر میری حجامت بنا کے مجھے ایک کاغذ دیا جس میں چاندی کے ٹکڑے تھے اور کہا کہ اسے اپنی ضرورت میں صرف کرنا، میں نے اُس دن سے عہد کر لیا کہ مجھے فتوحات میں سے جو سب سے پہلی فتوح حاصل ہوگی اُس سے اِس شخص کے ساتھ مروت و احسان کروں گا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ بصرہ سے اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے پاس آئی میں وہ حجام کے پاس لے گیا، اس نے پُوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ (تم نے جس وقت میرے بال بنائے تھے۔ میں نے اس وقت) یہ نیت کر لی تھی کہ سب سے پہلی جو فتوح مجھے حاصل ہوگی وہ تمہیں دوں گا۔ وہ لایا ہُوں، اُس نے کہا بندۂ خدا تمہیں شرم نہیں آتی تم نے مجھے تو کہا تھا کہ اللہ واسطے میرے بال بنا دو، پھر تم نے یہ کیسے خیال کر لیا کہ بندہ کام تو اللہ واسطے کرے اور اُس پہ مزدوری لے۔"[2]

---

[1] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۱ ص ۱۸۱ [2] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۲ ص ۱۵

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

# تقریظ وتنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب　: علماء دیوبند کی یادگار تحریریں (۲ جلدیں)

جمع وترتیب : مولانا محمد اسحاق ملتانی

صفحات　: جلد اوّل ۵۲۴ جلد دوم ۴۲۴

سائز　: ۲۶×۳۰ / ۸

ناشر　: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

قیمت

ایک زمانہ تھا کہ دار العلوم دیوبند سے دو اہم رسالے "القاسم" اور "الرّشید" نکلا کرتے تھے جن میں اکابر علماء دلوبند کے علمی ادبی اور تاریخی مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ ان رسائل سے ایک جہان استفادہ کرتا تھا۔ حوادث زمانہ کے سبب یہ دونوں رسالے بند ہوگئے تو ان کے بعد "دار العلوم" کے کے نام سے رسالہ نکلنا شروع ہوا یہ رسالہ بحمد اللہ تا حال جاری ہے۔ زیر تبصرہ کتاب "علماء دیوبند کی یادگار تحریریں" دراصل "القاسم" "الرّشید" اور "دار العلوم" کے وہ وقیع مضامین ہیں جو آج سے تقریباً پون صدی قبل شائع ہوئے تھے، مولانا محمد اسحاق صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ مذکورہ رسائل کی پرانی فائلوں سے انتہائی قیمتی اور نایاب موتی چُن کر عوام کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ یہ مضامین کس قدر اہم اور کتنے قیمتی ہیں اس کا اندازہ ان کو پڑھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ اکابر دیوبند سے وابستہ ہر شخص ان کا مطالعہ کرے تاکہ وہ اکابر کے علوم ومعارف سے آگاہ ہو کر صحیح معنیٰ میں اُن کی قدر جان سکے۔

فی الحال ان گراں قدر مضامین کی دو جلدیں شائع ہوئی ہیں آگے بھی انشاء اللہ موقع بموقع مزید جلدیں شائع ہوتی رہیں گی، آئندہ طباعت میں اگر ان تحریرات کو جدید اندازِ کتابت کے ساتھ شائع کیا جائے تو بہت بہتر ہو فی الوقت جس طرح بھی ہیں غنیمت ہیں۔

نام کتاب : مشاہیر علماء (۴ جلدیں)

تصنیف : ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن

صفحات : ۱۰۲۲

سائز : ۳۶×۲۳/۱۶

ناشر : طیب اکیڈمی بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قیمت : ۶۰۰/

تصنیف و تالیف کے حوالے سے ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں تذکرہ و سوانح آپ کا خاص موضوع ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب "مشاہیر علماء" سے پہلے آپ نے "مشاہیر علماء دیوبند" کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر فرمائی تھی جس میں چھ سو سے زائد مشاہیر دارالعلوم کا تعارف کروایا تھا۔ حال میں آپ نے "مشاہیر علماء" کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر فرمائی ہے یہ کتاب چار جلدوں میں ہے اور اس میں بھی تقریباً چھ سو سے زائد علماء کا تعارف کروایا گیا ہے۔

دونوں کتابوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی کتاب میں فقط علماء دیوبند کا تعارف تھا اور دوسری کتاب میں علماء دیوبند کے علاوہ دیگر مسالک کے علماء کا تذکرہ بھی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ تالیف اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ اس کے ذریعہ سے بہت سے وہ علماء جو گوشۂ گمنامی اور پردۂ خفاء میں چلے گئے تھے ان کا تعارف ہو جاتا ہے۔

راقم الحروف نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اور اسے مفید پایا ہے، چند باتیں راقم نے دورانِ مطالعہ محسوس کی ہیں اگر ڈاکٹر صاحب ان پر توجہ فرمائیں تو بہتر ہوگا۔

۱۔ کتاب میں بہت سے غیر معروف لوگوں کا تذکرہ آیا ہے جبکہ بہت سے معروف لوگوں کا تذکرہ رہ گیا ہے۔ نہ پہلی کتاب میں ہے نہ اس کتاب میں ان معروف علماء کا تذکرہ ضرور آنا چاہیے۔

۲۔ تذکرہ تو ہوتا ہے تعارف کے لیے اگر تعارف نہ ہو تو تذکرہ بے سود ہے۔ اس کتاب میں بعض بزرگوں کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ اُن کا تعارف نہیں ہوتا۔ مثلاً مولانا ابراہیم ہزاروی کا تذکرہ ۲/۱ ۲ صفحات میں کیا گیا ہے، مگر اس تذکرہ سے مولانا کا صحیح تعارف نہیں ہوتا راقم اگر اُن سے ذاتی طور پر متعارف نہ ہوتا تو پتہ ہی نہ چلتا یہ کون مولانا ابراہیم ہیں وجہ یہ ہے کہ مولانا کے تذکرہ میں ضروری تھا کہ یہ بتلایا جاتا کہ وہ لاہور کی کس مسجد میں امام و خطیب تھے اور عوام میں کس لقب سے معروف و مشہور تھے، لیکن کتاب میں یہ ذکر نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے مولانا کا صحیح تعارف نہیں ہو سکا۔

یاد رہے کہ مولانا لاہور میں نئی انارکلی کی جامع مسجد حاجی رحمۃ اللہ بین معذوری سے قبل تک امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ نہایت جری و بہادر ہونے نیز باطل کے مقابلہ میں تیغ براں ہونے کے سبب عوام میں مولانا "تلوار" کے نام سے مشہور تھے۔

۳۔ بعض مقامات پر تصیح کی ضرورت ہے۔ مثلاً جلد اوّل ص ۲۴۶ پر مولانا سیّد رشید الدّین صاحب دامت برکاتہم کے تذکرہ میں لکھا گیا ہے کہ

"شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحؒ کے فرزند مولانا سیّد اسعد مدنی آپ کے بہنوئی ہیں"

یہ غلط ہے مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم آپ کے بہنوئی نہیں ہیں بلکہ مولانا رشید الدّین صاحب مدظلہ العالی مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم کے بہنوئی ہیں۔

۴۔ جلد دوم کے صفحہ ۶ پر ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں کہ "یہ ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے" غالباً یہ سہواً لکھا گیا کیونکہ کتاب کے کل صفحات ۲۵۶ کے بجائے ۲۵۸ ہیں۔

نام کتاب : مخزنِ انقلاب

مؤلف : ڈاکٹر شمس الحق

صفحات : ۶۱۲

سائز : ۱۶/۳۶×۲۳

ناشر :

قیمت : ۲۵۰/

زیرِ نظر کتاب "مخزنِ انقلاب" محترم جناب ڈاکٹر شمس الحق صاحب کی ضخیم تصنیف ہے، اس کتاب میں موصوف نے آغاز عالم سے لے کر اَب تک آنے والے انقلابات کا تجزیہ پیش کر کے یہ بتلایا ہے کہ

> "تمام طوفانوں سے مسلمانوں کی حفاظت اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف انقلاب سے اور انقلاب بھی وہ جو تقوٰی کے اسلحہ سے مسلح ہو، مسلمان کے پاس یہی ایک مضبوط ہتھیار ہے جو کہ ہر مرحلہ میں اس کے کام آسکتا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو اس کی عبادت، عبادت بن سکتی ہے، نہ حکومت، نہ عدالت، نہ فوجی حکمتِ عملی اور نہ ملکی انتظام کامیاب ثابت ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس ضخیم کتاب کو سات حصّوں میں تقسیم فرمایا ہے پہلے حصّہ میں تخلیق کائنات، تخلیق آدم اور کائنات میں فساد کے آغاز و اسباب کو ذکر کیا ہے، دوسرے حصّہ میں اصلاحِ معاشرہ اور اس کے اُصول کا تذکرہ کیا ہے۔ تیسرے حصّہ میں صراطِ مستقیم سے متعلّق مباحث ذکر فرمائے ہیں، چوتھے حصّہ میں صراطِ مستقیم کی تشریح اور اس کی منازل کو ذکر کیا ہے، پانچویں حصّہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور تعمیر کعبہ اور حدودِ حرم سے متعلّق تفصیلات ذکر فرمائی ہیں، چھٹے حصّہ میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مکّہ مکرمہ سے مدینہ طیّبہ کی طرف ہجرت کا مقصد اور دیگر تفصیلات دی ہیں۔ ساتویں حصّہ میں مقام نبوّت و رسالت کو ذکر کر کے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے انقلابی کاموں کی تفصیل بیان کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ کاوش اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ یہ اپنے قاری کے لیے بہت سی بیش قیمت معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اُسے دعوتِ فکر و انقلاب بھی دیتی ہے۔

موصوف نے اپنی کتاب کے شروع میں جن مفکّرین کی نگارشات اور جن مآخذ و مراجع کا تذکرہ کیا ہے۔ راقم الحروف کو اس پر تعجّب ہے اس لیے کہ راقم کے خیال میں ان کی موصوف کے علم و فکر سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان میں سے بعض کُتب اس قدر غیر تحقیقی مواد پر مشتمل ہیں

کہ اُنھیں پڑھ کر عقل مند آدمی کی طبیعت اُکتانے لگتی ہے اور بعض کُتب میں قصداً مبالغہ آمیزی اور مغالطہ آفرینی سے کام لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو بعض باتیں تحریر فرمائی ہیں اُنھیں ذہنِ ثاقب قبول نہیں کرسکتا بلکہ اُن باتوں کے کتاب میں آجانے کی وجہ سے کتاب کی حیثیت مجروح سی ہو کر رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹر صاحب کی نظر اس طرف نہ گئی ہو اور وہ معذور ہوں تاہم راقم الحروف معذرت کے ساتھ کتاب کے شروع سے معدودے چند باتوں کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ ڈاکٹر صاحب ان پر نظرِ ثانی فرمالیں اور آئندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح فرمادیں۔

(۱) ص۲ پر تحریر ہے۔

"قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کی حالت میں بعض انسانوں کو بطور عذاب دوسرے جانوروں اور اشیاء کی شکل میں بھی تبدیل کیا جاتا رہا، مثلاً بعض کو ہاتھی، ریچھ، خنزیر، مارماہی، گوہ، چمگادڑ، بچھو عموض (دریائی چھوٹا ساجانور) مکڑی، خرگوش اور آسمان کا تارہ (سہیل) زہرہ کی صُورت میں ایک عورت جو اسم اعظم کے ذریعہ ہاروت ماروت کو گناہ میں مُبتلا کرکے آسمانوں پر چلی گئی تھی۔ (تفسیر نعیمی)"

یہ بالکل غلط ہے کتاب و سُنّت سے اِس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

(۲) ص۱۳ پر شہر بابل میں دو فرشتوں (ہاروت و ماروت) کے قید کیے جانے کی جو تفصیل دی گئی ہے یہ بنی اسرائیلی روایات ہیں جن کو عُلماء نے قواعد شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے رَد کردیا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں لہٰذا ایسی روایات کے ذکر سے گریز ہی بہتر ہے۔

(۳) ص۳۹ پر خوارزم کے بعد بین القوسین عراق لکھا گیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ خوارزم آزاد وسطی ایشیائی ریاست اُزبکستان کا شہر ہے جسے موجودہ دور میں خیوا کہا جاتا ہے۔

(۴) ص۴۰ پر درج ہے۔

"حضرت امام مالکؒ نے الموطاء کی صورت میں صحیح احادیث کا کھوج لگاکر تمام متفق علیہ احادیث کو پیش کردیا۔"

اس عبارت کی تصحیح کی ضرورت ہے، کیونکہ متفق علیہ احادیث اصطلاح میں اُن احادیث کو کہا جاتا ہے جن کی امام بخاری و مسلم دونوں نے اپنی کتابوں میں تخریج کی ہو۔ مؤطا امام مالک، بخاری و مسلم سے تقریباً نصف یا پون صدی پیشتر لکھی جا چکی تھی۔ اس میں بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث کا ذکر کیسے آسکتا ہے۔

(۵) ص۴ ہی پر درج ہے۔

"کہا جاتا ہے ان کی (امام بخاری کی) بیان کردہ احادیث کی تعداد نو ہزار دو سو تک بنتی ہے۔ (نووی)"

یہ بات امام نووی رح کے حوالے سے صحیح نہیں اس لیے کہ امام نووی رح اور شیخ ابن صلاح رح کے نزدیک تکرار کے ساتھ بخاری کی روایات کی تعداد ۷۲۷۵ ہے اور عدم تکرار کے ساتھ ۴۰۰۰ ہے دیکھیے تدریب الراوی ص۱۰۲ طبع میر محمد کراچی

(۶) ص۱۴ پر درج ہے۔

"اسلام کے ائمہ مجتہدین بعض زیادہ روایات سے واقف تھے اور بعض نے تھوڑی روایات کو بیان کرنا اپنا معمول بنایا تھا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رح کے بارے میں مشہور ہے کہ اُنھیں صرف سترہ یا اس کے لگ بھگ احادیث یاد تھیں، امام مالک رح کی روایات جو مؤطا میں ہیں تین سو کے قریب ہیں۔ امام احمد رح کی مؤطا میں پچاس ہزار حدیثیں بیان کی گئی ہیں۔"

یہ عبارت ڈاکٹر صاحب نے غالباً "مقدمہ ابن خلدون" سے اخذ کر کے درج کی ہے، اور اسے صحیح سمجھا ہے۔ اسی لیے آپ نے اس کی تردید کے بجائے تشریح کی ہے۔ موصوف کو یہ عبارت درج کرنے سے پہلے اس پر اچھی طرح سے غور و فکر کر لینا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ اس عبارت میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ عقلاً و نقلاً غلط ہیں۔ محققین ہمیشہ سے اُن کی تردید کرتے چلے آئے ہیں۔ محققین کے کلام کو مختصراً ہم یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ باجماعِ اُمّت حضرت امام ابو حنیفہ رح مجتہد مطلق تھے اور بقول علّامہ ابن قیم رح کے قرآن و حدیث سے براہِ راست استنباط کے لیے پانچ سو آیاتِ احکام اور تین ہزار احادیثِ

احکام پر عبور ضروری ہے اس اُصول کے ہوتے ہوئے باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کو سترہ کے لگ بھگ حدیثیں یاد ہوں گی؟

دوسری بات یہ کہ حضرت امام اعظمؒ نے فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق تقریباً تراسی ہزار احکامِ فقہ مدون فرمائے ہیں کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ جسے صرف سترہ کے لگ بھگ حدیثیں یاد ہوں وہ اس قدر احکام مدون کرلے گا؟

تیسری بات یہ کہ امام ذہبیؒ، امام سیوطیؒ، امام ابوصالح دمشقیؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت امام اعظمؒ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے اور اصطلاح میں حافظ الحدیث اُسے کہا جاتا ہے جسے ایک لاکھ حدیثیں سنداً و متناً یاد ہوں ایسی صورت میں امام اعظمؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ اُنھیں سترہ کے لگ بھگ حدیثیں یاد تھیں کیا انصاف کا خون کرنا نہیں؟

چوتھے اس پر بھی غور کیا جائے کہ آج دُنیا میں حضرت امام صاحبؒ کی کتاب "کتاب الآثار" عام ملتی ہے اس میں آپ نے نوسو سے زائد احادیث ذکر کی ہیں جنھیں چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کرکے آپ نے جمع فرمایا ہے۔ کیا ایسی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے کہ آپ کو صرف سترہ کے لگ بھگ حدیثیں یاد تھیں۔

پانچویں اس پر بھی نظر ڈال لی جائے کہ مؤرخین کے بقول حضرت امام صاحبؒ نے چار ہزار اکابر سے اخذ فیض کیا ہے، اگر ایک اُستاذ سے ایک حدیث کی سماعت بھی مان لی جائے تو آپ کے پاس کم ازکم چار ہزار احادیث کا ذخیرہ ہونا ضروری ہے ایسی صورت میں اس بات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ آپ کو صرف سترہ کے لگ بھگ حدیثیں یاد تھیں؟

چھٹے اس پر توجہ کی جائے کہ حضرت امام صاحبؒ کے لاتعداد شاگردوں میں بڑے بڑے جلیل القدر محدثین کے نام آتے ہیں جن میں سے صرف ایک محدث حضرت عبداللہ بن یزید مقری مکیؒ نے آپ سے نوسو احادیث سُنا و کہ سُنی تھیں (دیکھیے مناقب ابی حنیفہ للکردری ص ٤٩٨) کیا ایسی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت امام صاحبؒ کو سترہ کے لگ بھگ حدیثیں یاد تھیں؟

مؤرخ ابن خلدونؒ گو عظیم مؤرخ تھے، لیکن اُنھیں ائمہ کرام کی مرویات کا صحیح علم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے امام مالکؒ کی مرویات ان کی موطا میں تین سو بتائی ہیں حالانکہ بقول شارحِ مؤطا

حضرت شاہ ولی اللہ رح کے مؤطا میں ۱۷۲۰، احادیث موجود ہیں۔ اسی طرح ابن خلدون نے امام احمد رح کی مرویات مسند احمد میں (نہ کہ مؤطا میں مخزنِ الانقلاب میں مؤطا کا لفظ غلطی سے آگیا ہے) پچاس ہزار بتلائی ہیں۔ حالانکہ مسند احمد میں کل تیس ہزار احادیث ہیں اور اگر امام احمد رح کے صاحبزادے عبداللہ رح کی مرویات کو بھی شامل کرلیا جائے تو پھر کل چالیس ہزار بنتی ہیں۔ ابن خلدون رح کو جب ائمہ کی مرویات کی صحیح تعداد معلوم نہیں تو حضرت امام ابوحنیفہ رح کے بارے میں ان کے نقل کردہ قول کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

(۷) ص۴۳ پر درج ہے۔

آگے چل کر علماء کی تحقیق کے مطابق فقہ کی بھی دو قسمیں بن گئیں، ایک طریقہ اہل رائے اور قیاس کا ہوگیا جیسے کہ عراقی علماء جن کے احادیث کا ذخیرہ نسبتاً کم تھا اور دوسری قسم فقہ کی ارباب حدیث کا طریقہ کار ہے جیسے کہ علماء حجاز کا طریقہ رواج پا گیا ہے۔" الخ

یہ عبارت غیر مقلدانہ ذہن کی عکاس ہے ورنہ محققین کے نزدیک فقہ کی یہ قسمیں دُرست نہیں۔

اور یہ کہنا کہ عراقی علماء کے پاس نسبتاً ذخیرہ احادیث کم تھا یہ تو بالکل ہی غلط ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح اُن کے شاگرد قاضی ابو یوسف رح دونوں عراقی ہیں اور دونوں حافظ الحدیث ہیں، صحاح ستہ کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے اِن کے اکثر راوی عراقی ہیں اور حافظ الحدیث ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے طلب حدیث میں بخارا سے لے کر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا۔ دو دفعہ جزیرہ گئے تھے۔ چار دفعہ بصرہ جانا ہوا تھا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے تھے، مگر اس کے باوجود کوفہ بغداد کی وہ اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں" لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین"[1] میں شمار بھی نہیں کرسکتا کہ کوفہ اور بغداد میں مجھے محدثین کے ساتھ کتنی بار جانا پڑا۔ غور طلب بات ہے کہ اگر کوفہ و بغداد جو کہ عراق میں ہیں اُن میں ذخیرہ حدیث کم تھا تو امام بخاری رح لاتعداد مرتبہ کوفہ اور بغداد کیا لینے جاتے رہے؟

---

[1] ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۵۱

(۸) ص۴۴ پر درج ہے

"اہلِ حجاز میں امام مالک ابن انس رح کے پیروکاروں کی کثرت ہے"۔

یہ بھی صحیح نہیں اس لیے کہ تاریخ بتلاتی ہے کہ آپ کے مسلک کو عروج مغرب میں ملا ہے لہٰذا آپ کے پیروکاروں کی کثرت بھی وہیں ہوگی، چنانچہ اکثر مغربی علما مثلاً علّامہ قرطبی علّامہ ابن رشد علّامہ ابن عبدالبر یہ سب مالکی تھے۔

بہر طور سرسری نظر میں یہ چند باتیں جو سامنے آئیں بغرضِ اصلاح انہیں ذکر کیا گیا ہے امید کی جاتی ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اُن کی اصطلاح کی طرف توجہ کی جائے گی۔　　(ن - د)

## بقیہ: جہاد اقدام اور دفاع

بخاری شریف میں ہے۔ الآن نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم

(بخاری ج ۲ ص ۵۹۰)

حضرت مولانا کاندھلوی قدس سرہ اس روایت کا مفہوم بیان فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب قریش واپس ہوئے تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اب ہم اُن پر حملہ آور ہونگے اور یہ کافر ہم پر حملہ آور نہ ہوسکیں گے۔ ہم ہی اُن پر حملہ کرنے کے لیے چلیں گے۔ یعنی کفر اب اتنا کمزور ہوگیا کہ اب اسمیں اتنی قوّت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی اقدام کر سکے۔ اور اسلام فقط اپنا دفاع کرے۔ بلکہ اس کے برعکس اب اسلام اتنا قوی ہوگیا ہے کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ابتداءً اقدام کرے گا۔ اور جارحانہ حملہ آور ہوگا۔ جو لوگ اسلام میں اقدامی جہاد کے منکر ہیں وہ بخاری کی روایت کے ان الفاظ کو خوب بغور پڑھ لیں۔ (سیرۃ المصطفٰی ج ۲ ص ۳۲۲)

سیرۃ المصطفٰی جلد دوم میں جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر کتاب و سُنّت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس تحریر میں انتہائی اختصار کے ساتھ اس کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مذکورہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

# اخبار الجامعہ

محمد عابد، متعلم جامعہ مدنیہ

○ ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ کو مولانا اللہ وسایا صاحب سیکریٹری آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوّت پاکستان جامعہ تشریف لائے اور حضرت نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

○ ۳ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ بروز جمعرات حضرت نائب مہتمم صاحب مولانا قاضی عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ کی تعزیّت کے لیے جہلم تشریف لے گئے، وہاں آپ کے صاحبزادے مولانا قاری خلیب احمد صاحب سے تعزیّت کی اور اُسی رات واپسی ہُوئی۔

○ ۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ بروز منگل کراچی سے جناب آفتاب صاحب تشریف لائے اور جامعہ کے تعلیمی وتعمیری احوال دیکھے اور خوشی ومسرّت کا اظہار کیا۔

○ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ بروز جمعرات حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب مدظلہم العالی مہتمم جامعہ امریکہ سے واپس تشریف لے آئے۔

○ ۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ بروز اتوار سے جامعہ کے شعبہ کُتب کے سہ ماہی امتحان شروع ہُوئے۔

○ ۲۹ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ بروز منگل سے جامعہ کے شعبہ حفظ کے سہ ماہی امتحان شروع ہُوئے۔

---

بقیہ : جاوید غامدی صاحب کے افکار ونظریات

| | |
|---|---|
| نصیب الذکر مثل نصیب الانثیین و نصیب الذکر ھھنا ھو الثلثان وجب لا محالۃ ان یکون نصیب الابنتین الثلثین | ایک مرد کا حصّہ دو عورتوں کے حصّے کے برابر ہے اور مرد کا حصّہ یہاں دو تہائی ہے تو لامحالہ واجب ہوا کہ دو بیٹیوں کا حصّہ دو تہائی ہو۔ |

# بزمِ قارئین

جناب محترم ایڈیٹر

ماہنامہ انوارِ مدینہ

اُمّید ہے مزاج گرامی بخیریّت ہوں گے۔

عرصہ ایک سال یا اس سے کچھ زائد سے آپ کا رسالہ مجھے اعزازی طور پہ بھیجا جا رہا ہے جس کے لیے شکریہ کا خط ارسالِ خدمت ہے۔

آپ کا پرچہ ماشاء اللہ معیاری ہے اور خدمتِ دین میں مصروف عمل رسائل میں اپنا مقام رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی ان کوششوں کو قبول فرمائے۔

جملہ احباب کو پُرخلوص دُعائیں

والسّلام

محمّد نصیر عباسی

دعوۃ اکیڈمی لائبریری بین الاقوامی

اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد